رمی جمار کے وقت میں توسیع

عصر حاضر کی ایک شرعی ضرورت

تالیف

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

مستشار دینی، مجلس شؤون اسلامیہ- بحرین

ایفا پبلی کیشنز- نئی دہلی

©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہے

نام کتاب : رمی جمار کے وقت میں توسیع - عصر حاضر کی ایک شرعی ضرورت
مولف : ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
صفحات : ۱۰۸
اشاعت اوّل : اپریل ۲۰۰۶ء

ناشر
سلطان پبلی کیشن ۔ امریکہ

Sultan Publishing co. Imc. USA
Tel. & . Fax. 001-313-846-1929

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست کتب

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۹	مقدمہ .... دکتور محمد عمارہ..	۱
۱۵	**فصل اوّل:** رمی جمار اس کا حکم اور اس کی حکمت	۲
۱۷	مطلب اوّل: رمی جمار لغت اور اصطلاح میں..	۳
۱۹	مطلب دوم: رمی جمار کا حکم..	۴
۲۲	مطلب سوم: رمی جمار کی حکمت..	۵
۲۵	**فصل دوم:** رمی کے وقت پر دلالت کرنے والے شرعی نصوص	۶
۲۷	نص اوّل..	۷
۲۸	نص دوم..	۸
۲۸	نص سوم..	۹
۲۹	نص چہارم..	۱۰
۳۰	نص پنجم..	۱۱
۳۱	نص ششم..	۱۲
۳۱	نص ہفتم..	۱۳
۳۱	نص ہشتم..	۱۴
۳۲	نص نہم..	۱۵

۱۶	نص دہم	۳۲
۱۷	نص یازدہم	۳۳
۱۸	**فصل سوم:** فقہاء کے نزدیک رمی جمرات کا وقت	۳۵
۱۹	مطلب اوّل	۳۷
۲۰	۱- مذہب حنفی	۳۷
۲۱	۲- مذہب مالکی	۳۸
۲۲	۳- مذہب شافعی	۳۹
۲۳	۴- مذہب حنبلی	۴۰
۲۴	۵- بعض شیعی مذاہب	۴۱
۲۵	۶- مذہب ظاہری	۴۲
۲۶	۷- مذہب اباضی	۴۲
۲۷	مطلب دوم: اسلامی مذاہب میں تینوں جمرات کی رمی کا وقت	۴۳
۲۸	مذہب حنفی	۴۳
۲۹	مذہب مالکی	۴۴
۳۰	مذہب شافعی	۴۵
۳۱	مذہب حنبلی	۴۶
۳۲	بعض شیعی مذاہب	۴۷
۳۳	مذہب ظاہری	۴۷
۳۴	مذہب اباضی	۴۷
۳۵	خلاصہ	۴۷

۳۶	**فصل چہارم :** رمی جمار کے وقت کے سلسلے میں محقق کا اجتہاد	۵۱
۳۷	مطلب اوّل: رمی جمار کے وقت کی توسیع کے وجوب پر عمومی دلائل	۵۵
۳۸	پہلی دلیل: قتل نفس سے منع کرنے والے شرعی نصوص	۵۵
۳۹	دوسری دلیل: ضرورتوں کی حفاظت کی ضرورت	۵۸
۴۰	تیسری دلیل: شرعی قواعد	۵۹
۴۱	پہلا قاعدہ: ضرر کو دور کیا جائے گا	۶۰
۴۲	دوسرا قاعدہ: مفاسد کو دفع کرنا مصالح کے حصول پر مقدم ہے۔	۶۲
۴۳	تیسرا قاعدہ: حاجت خواہ عام ہو یا خاص ضرورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے...	۶۲
۴۴	چوتھا قاعدہ: ضروری کو خلل پہنچانا..	۶۲
۴۵	پانچواں قاعدہ: حرج کو دفع کیا جائے گا..	۶۳
۴۶	چھٹا قاعدہ: مشقت آسانی کو کھینچتی ہے	۶۴
۴۷	چوتھی دلیل: دلیل عقلی	۶۷
۴۸	مطلب دوم: رمی جمار کے وقت کی توسیع کے وجوب پر خصوصی دلائل...............	۶۹
۴۹	**فصل پنجم:** چند شبہات اور ان کے جوابات	۷۹
۵۰	پہلا شبہ: طلوع آفتاب سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی کے سلسلہ میں حدیث میں	
	ممانعت کا وجود	۸۱
۵۱	مناقشہ اور ترجیح	۸۲
۵۲	دوسرا شبہ: نبی ﷺ کے عمل کی وجہ سے اخیر کے تین دنوں میں زوال سے	
	قبل رمی جائز نہیں..	۸۳
۵۳	مناقشہ اور ترجیح..	۸۶

۵۴	تیسرا شبہ: علماء کے سواد اعظم کی رائے ہے کہ زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں	۹۱
۵۵	مناقشہ اور ترجیح	۹۲
۵۶	چوتھا شبہ: رمی دن کی عبادت ہے..	۹۷
۵۷	مناقشہ اور ترجیح	۹۷
۵۸	**نتائج اور تجاویز**	۱۰۲
۵۹	اولاً: بحث کے نتائج	۱۰۲
۶۰	ثانیاً: اہم تجاویز	۱۰۶
۶۱	قاری کے ملاحظات وآراء...	۱۰۸

مقدمہ

الحمد للّٰه الذي أنزل الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط، والصلاة والسلام على سيدنا ونبينا محمد النبي الخاتم، أرسله اللّٰه بالهدى ودين الحق، فبدّدبه ظلام الشرک، وأذهب اللّٰه به غبية الجاهلية، ومكن اللّٰه به للإسلام.. فصار المسلمون شهداء على الناس، فاللّٰهمّ صلّ وسلم وبارک عليه وعلى آله وصحبه وتابعيهم بإحسان إلى يوم الدين.

أمابعد : حج بیت اللہ کو جانے والے حاجیوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا ہے یہاں تک کہ اکثر سالوں میں ان کی تعداد بیس لاکھ مسلمان مردوں اور عورتوں سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ سعودی عرب کی حکومت عموماً اور وزارت حج واوقاف خصوصاً اس سلسلے میں جو مخلصانہ کوشش کر رہی ہے وہ قابل ذکر اور لائق شکر ہے۔ لیکن اس کے نتیجے میں مناسک حج کی ادائیگی میں ہر جگہ بے حد بھیڑ ہو جاتی ہے اور اس بھیڑ کی وجہ سے بہت سے مسلمانوں کی جان چلی جاتی ہے۔ طواف، سعی اور وقوف عرفہ جو حج کے ارکان ہیں اگر چہ ان کی جگہیں کشادہ ہیں اور ان کے اوقات میں بھی وسعت ہے۔ لیکن رمی جمار کا وقت اور اس کی جگہ ان ارکان کے مقابلے میں بہت تنگ ہے۔ پھر راجح قول کی رو سے رمی واجب ہے، اگر یہ چھوٹ جائے تو دم (قربانی) کے ذریعہ اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔

مزید یہ کہ رمی جمار کے لیے یہ شرط ہے کہ کنکری حوض (خاص دائرہ) میں گرے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب رمی کرنے والا جمرہ سے قریب ہو جائے اور ہر جمرہ کو سات کنکر مارتے وقت ہاتھ اٹھائے۔ ان سب باتوں کی وجہ سے جمرات کی جگہ کافی بھیڑ ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ حجاج

کرام کو رمی جمار سے زیادہ کسی اور رکن یا عمل کی ادائیگی میں خوف محسوس نہیں ہوتا۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ بھیڑ کے نتیجے میں پیروں سے کچلے جاتے ہیں اور مروت رکھنے والوں پر بھی معاملہ سنگین ہو جاتا ہے، اس لیے کہ وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی اپنے گرے ہوئے مسلمان بھائی یا بہن کی مدد کے لیے جھکا تو وہ بھی بھیڑ میں پس جائے گا اور ہلاکت سے دوچار ہوگا۔ اس لیے وہ شدید حرج کے ساتھ گذر جاتا ہے اور بادل ناخواستہ اور غیر اختیاری طور پر وہ بھی اپنے مسلمان بھائی کو اپنے قدموں سے روندتا چلا جاتا ہے۔ اگر دنیا کی حکومتیں اور تنظیمیں ایمرجنسی اور ہنگامی حالات کا اعلان کرتی ہیں اور زلزلہ، کوہ آتش فشاں کے پھٹنے اور دیگر حوادث مثلاً مصر، ایران، الجزائر، جاپان اور میکسیکو وغیرہ کے زلزلوں اور نیویارک یا امریکہ کے نیویارک اور واشنگٹن یا اوکلا میں ستمبر کے حادثات میں تجارتی مرکز کے انہدام کے نتیجے میں متأثر ہونے والوں کی امداد واعانت کے لیے بہت سی تدابیر اختیار کرتی ہیں تو آج ہر مخلص اسلامی اسکالر کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان فتاویٰ پر نظر ثانی کرے جو ان کی طرف سے صادر ہوتے ہیں اور (بلا قصد وارادہ) بہت سی جانوں کے ہلاک ہونے اور بہت سے لوگوں کے مشقت میں پڑنے کا سبب بنتے ہیں۔ ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنے کے لیے بڑی بھیڑ دیکھنے میں آتی ہے۔ کچھ حجاج تو بڑی کوشش اور سخت مشقت کے بعد رمی کے لیے وہاں تک پہنچ پاتے ہیں اور کچھ لوگ بیمار ہو کر اس حال میں لوٹتے ہیں کہ اس کے بعد انہیں عبادت اور ذکر و دعاء کی طاقت نہیں رہتی جو حج کے مقاصد کے خلاف ہے اور کچھ لوگ ناگفتہ بہ حالت میں لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ مجھ سے کچھ ایسے حضرات نے جن کی روایت پر مجھے پورا وثوق اور اعتماد ہے یہ بیان کیا کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے سخت بھیڑ کے باعث مسلمانوں کی آنتوں کو ان کے پیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ واقعہ ۱۴۱۸ھ اور ۱۴۲۴ھ کے حج میں پیش آیا۔ یہ دردناک المیہ عید الاضحیٰ کے روز دن کے ابتدائی حصے میں پیش آیا جس وقت کہ یہ انتظار کیا جاتا ہے کہ حجاج کرام اور تمام مسلمان عید الاضحیٰ کی خوشیاں منا رہے ہوں گے۔

لیکن بھیڑ کے سبب اس دن جمرۂ عقبہ کے پاس ۲۵۰ رحجاج کرام کی جان گئی، جس کی وجہ سے علماء کرام اور امت کے مخلص افراد کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ وہ اس مشکل کا کوئی فقہی اور انتظامی حل دریافت کریں۔ اور وہ دشمنان اسلام جو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں، انہوں نے یہ لکھنا شروع کیا کہ مسلمان لوگ وحشی اور گنوار ہیں وہ عبادت کے نام پر بلامقصد اپنی جان دینے چلے جاتے ہیں۔ میرا تأثر یہ ہے کہ اس طرح کے حادثات تین وجوہ سے پیش آتے ہیں:

۱- وہ فتاویٰ جن میں اصرار کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ رمی جمار خاص وقت ہی میں ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ میں نہیں جیسا کہ ہمارے بعض علماء وفضلاء نے اس نقطۂ نظر کا اظہار کیا ہے۔

۲- خاص اس جگہ میں مسلمانوں کی حرکت کے لیے حکومتی انتظامات۔

۳- بہت سے مخلص مسلمانوں کی حج کے احکام ومقاصد سے عدم واقفیت کہ وہ جوش میں آکر احکام اوران کے مقاصد کو سمجھے بغیر مناسک کی ادائیگی کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں۔

اس وقت میرے پیش نظر یہ بات ہے کہ ان فتاویٰ کا جائزہ لیا جائے اور محبت ومودت کے ماحول میں ان کا علمی مناقشہ کیا جائے جو ہمارے علماء کرام کی طرف سے اس سلسلہ میں صادر ہوئے ہیں۔ ان ہی فتاویٰ میں سے (جن کے لکھنے والوں کے اخلاص میں مجھے ذرہ برابر شبہ نہیں ہے) مثال کے طور پر درج ذیل حضرات کے فتاویٰ ہیں:

۱- جناب ڈاکٹر شرف بن علی شریف معاون استاذ **كلية الشريعة جامعة ام القرى** کا فتویٰ جوان کی کتاب: **رمى الجمرات ومايتعلق به من أحكام** (رمی جماراوراس سے متعلق احکام) میں مذکور ہے اور جامعہ ام القریٰ نے اسے اپنے خرچ سے شائع کیا ہے۔ رمی جمار کے موضوع پر عام طور پر جو کچھ لکھا گیا ہے یہ ان میں سب سے اچھی تحریر ہے۔ لیکن ان کی رائے یہ ہے کہ (گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو) رمی جمار کا وقت زوال کے بعد ہے اس سے قبل نہیں اور نہ رات کو رمی کرنا جائز ہے، ہاں عذر والے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس اعتبار سے ان کے نزدیک

رمی کا وقت زوال سے صرف غروب تک ہے[1]۔

۲- سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز اور **اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء**، سعودی عرب۔

ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ رمی جمار کے اخیر کے تینوں دن حتی کہ منیٰ سے کوچ کرنے کے دن (یعنی چودہ ذی الحجہ کو بھی) زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں۔[2]

۳- شیخ موسیٰ صالح شرف کی بھی یہی رائے ہے۔

۴- سماحۃ الشیخ احمد بن حمد خلیلی مفتی حکومت عمان کے فتاویٰ جو ان سے سنے گئے اور منقول ہوئے۔

۵- فضیلۃ الشیخ سعید بن مبروک قنوبی کا فتوی جن کا شمار حکومت عمان کے بڑے علماء میں ہوتا ہے۔[3] اس کے علاوہ مختلف حلقوں اور اداروں کی طرف سے بہت سے فتاویٰ شائع ہوئے ہیں۔ میرا سفر حج ۱۴۱۸ھ میں ہوا ہے۔ میں نے اس کی کوشش کی ہے کہ اس وقت سے لے کر آج ۱۴۲۴ھ تک اس سلسلے میں جتنے فتاویٰ شائع ہوئے ہیں (خواہ انہیں طبع کر کے فروخت کیا گیا ہو یا مفت تقسیم کیا گیا ہو) انہیں جمع کیا جائے۔ میں نے ان سب میں یہ محسوس کیا کہ رمی کے وقت کے سلسلے میں تنگی والے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ جبکہ شرعی نصوص اور فقہی مذاہب میں بڑی وسعت ہے۔ اور جبکہ بھیڑ والا حادثہ پیش آیا جس میں ۱۴۱۸ھ میں کم از کم (۳۷۵) حاجی شہید ہوئے اور ۱۴۲۴ھ میں (۲۵۰) حجاج کرام کی موت واقع ہوئی جیسا کہ عالمی اخبارات اور ریڈیو میں نشر کیا گیا ہے، تو میں نے اپنی ذمہ داری محسوس کی یہ معصوم اور بے قصور جانیں جو ہر سال ان فتاویٰ

(۱) دیکھئے: رمی الجمرات وما یتعلق بہ من أحکام، مؤلفہ ڈاکٹر شرف بن علی الشریف، مطبوعہ معہد البحوث العلمیۃ وإحیاء التراث الإسلامی جامعہ أم القری، پہلا ایڈیشن ۱۴۱۰ھ، ۱۹۸۹ء ص: ۸۶- ۹۳- ۷۷- ۷۸

(۲) حج سے متعلق فتاویٰ کا مجموعہ جو سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز، فضیلۃ الشیخ صالح بن عثیمین، فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین اور ''اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء'' کے فتاویٰ پر مشتمل ہے، تیسرا رسالہ مطبوعہ ''جمعیۃ القادسیۃ التعاونیۃ کویت'' تاریخ درج نہیں ہے۔ (ص: ۱۷- ۳۳)

(۳) فتویٰ کی اشاعت نہیں ہوئی ہے لیکن وہ چھ ورق میں طبع ہوا ہے جو حج کے متعدد مسائل پر مشتمل ہے، اور اس پر صاحب فتویٰ کا دستخط بھی ہے۔

کی وجہ سے ضائع ہورہی ہیں جو نہ واقعی صورت حال کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور نہ شریعت کے ان عمومی مقاصد کو پورا کرتے ہیں جو جان کی حفاظت سے متعلق اور مناسک حج کی ادائیگی سے متعلق ہیں۔ اسی بنا پر میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ امت کی جانوں کو تلف ہونے سے بچانے کے جذبہ سے اس مسئلہ کا تحقیقی جائزہ لوں اور اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرکے اہل علم کے سامنے اپنی رائے پیش کروں، شاید کہ وہ امت کے علماء (بالخصوص سعودی عرب کے علماء) کے نزدیک قابل قبول ہو اور وہ اپنے اس سابق فتویٰ سے رجوع کرلیں اور اس طرح جانیں ضائع ہونے اور جسم حد درجہ مشقت اور بیماریوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔ میں اپنے اس عمل اور فقہی تحقیق کے ذریعہ یہ امید کرتا ہوں کہ ان مسلمانوں کی جانوں کو بچانے میں حصہ لے سکوں جن کے خون اور عزت وآبرو کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

ارشاد باری ہے: "**من قتل نفسا بغير نفس أوفساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً**" (المائدۃ/۳۲) (جو شخص کسی کو قتل کرے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کرڈالا)۔

اس بحث میں میری یہ کوشش ہوگی کہ اس قول کو اختیار کروں جس پر علمائے امت کا اتفاق ہے۔ لیکن رمی جمار کے وقت کے سلسلے میں (اگر ان کی رائے مختلف ہوگی تو) میں اس قول کو ترجیح دوں گا جو ہمارے اس دور کے حالات کے مناسب ہوگا۔ اور اس بنیاد پر یہ مسئلہ اپنی تمام جزئیات کے ساتھ متفق علیہ نہیں ہے اس بنا پر ہم خرق اجماع کی جسارت ہرگز نہیں کریں گے، بلکہ ہم اختلاف کی تحقیق کرکے اس قول کو اختیار کریں گے جو اس بھیڑ کے حالات اور نئے حالات کے زیادہ مناسب ہوگا۔

اور میں اس کی توقع رکھتا ہوں کہ یہ تحقیق امت کے افراد کے درمیاں اختلاف وانتشار کا باعث نہیں بنے گی۔ اسلئے کہ ہم ایسے سنگین حالات سے دوچار ہیں اور ایسی گرم فضا میں زندگی گذار رہے ہیں جس میں دشمنان اسلام ہرطرف ہمارے لیے حوادثِ زمانہ کا انتظار کررہے

ہیں۔ ہمارے لیے بہتر یہ ہے کہ ہم خیر کی دعوت کی طاقت کے ساتھ ان کا سامنا کریں یا حکمت کے ساتھ ان سے بحث ومباحثہ کریں یہ ایک شرعی فریضہ ہے۔ لیکن وہ مسائل جن میں علماء کی رائیں مختلف ہیں اور مسلمانوں کی سمجھ جن میں ایک نہیں ہے، اس طرح کے مسائل میں ضروری ہے کہ ہم شریعت کے درج ذیل فقہی قواعد کو حکم بنائیں اور پیش نظر رکھیں: ''إذا ضاق الأمر اتسع'' (جب معاملہ میں تنگی ہو تو وسعت پیدا ہو جاتی ہے) ''الحرج مدفوع'' (حرج کو دفع کیا جائے گا) اور ''الخلاف في الراي لايفسد للود قضية'' رائے کا اختلاف کسی معاملے میں محبت کو ختم نہیں کرتا) اور میرے درمیان اور علمائے امت کے درمیان تعظیم وتکریم اور محبت ومودت کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہے اور اگر اختلاف پایا جائے تو وہ تنوع ہے، تضاد نہیں ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ یہ محض علمی بحث ہے۔ اگر صحیح اور درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط اور خلاف حق ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوں، امام ابوحنیفہ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ آپ جو فتویٰ دیتے ہیں کیا اس کی حیثیت اس حق کی ہے جس کے خلاف باطل ہوا کرتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: بلکہ وہ غالب گمان ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ باطل ہو اور اس کا غیر حق ہو، اور پھر انہوں نے اس آیت کو بار بار دہرایا: إن نظن إلاّ ظنّا وما نحن بمستيقنين. (الجاثیۃ/۳۵)

ہر حاجی کو اس کا حق ہے کہ وہ اس عالم کی بات پر عمل کرے جس کو وہ درست سمجھے اور جس کی دلیل اسے قوی نظر آئے۔ اس میں کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد کی درخواست ہے۔

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

محرم ۱۴۲۵ھ، مارچ ۲۰۰۴ء

فصل اوّل

رمی جمار

اس کا حکم اور اس کی حکمت

مطلب اول: رمی جمار لغت اور اصطلاح میں

اوّل: رمی جمار لغت میں:

رمی، رَمیٰ یَرْ می رَمْیاً کا مصدر ہے، یعنی پھینکنا، ڈالنا، عیب اور تہمت لگانا[1] اور اس اعتبار سے رمی کے معنی کے دو پہلو ہیں:

۱- حسی پہلو: اور وہ ہے پتھر پھینکنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **ترميهم بحجارة من سجيل** (الفيل /۴) یعنی پرندے ہاتھی والوں پر پتھر پھینک رہے تھے، اور کہا جاتا ہے: **رمى بالحجر في الماء**: پانی میں پتھر پھینکا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: **وما رميت إذ رميت ولكن الله رمى** (الأ نفال /۱۷) (اور جب آپ ﷺ نے ان پر خاک پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: **إنهاترمى بشرر كالقصر**. (المرسلات/ ۳۶) (وہ آگ اونچے محلوں کی طرح شعلے پھینکتی ہوگی) حج کے اندر رمی جمار اسی معنی میں ہے (یعنی جمرات کو کنکر مارنا)۔

۲- معنوی پہلو: اور وہ ہے دوسرے پر تہمت لگانا۔ اسی معنی میں رمی المحصنات ہے، یعنی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔ فرمانِ باری ہے:

"إن الذين يرمون المحصنات الغافلات المؤ منات لعنوافي الدنيا والآخرة" (النور/۲۳) (بیشک جولوگ پاک دامن، بے خبر، ایمان والی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی۔

---

(۱) دیکھئے: ابن منظور کی لسان العرب، مطبوعہ دار المعارف، کتاب الراء م پھر میم اور یاء۔

اس آیت میں رمی کے معنی زنا کی تہمت لگانا ہے۔

قرآن کریم میں رمی کا لفظ نو مرتبہ آیا ہے۔ پانچ مرتبہ حسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور چار مرتبہ معنوی مفہوم میں [1]۔

اور جمار لغوی لحاظ سے جمرۃ کی جمع ہے۔ جس کے معنی چھوٹی کنکری کے ہیں۔ ابن الانباری کہتے ہیں: یہ چھوٹے چھوٹے پتھر ہیں۔ کہا جاتا ہے: **جمر الرجل تجميراً** : جبکہ مکہ کی کنکریوں کو پھینکے، عمر بن ابی ربیعہ کہتے ہیں [2]:

فلم أر كالتجمير منظر ناظر ولا كليالي الحج أفلقن ذا هوى

میں نے مکہ کے رمی جمار کی طرح کوئی منظر نہیں دیکھا اور نہ حج کی راتوں کی طرح کوئی منظر جس نے کسی خواہش والے کو تشنہ لب چھوڑا ہو۔

دوم: رمی جمار کے اصطلاحی معنی:

مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رمی جمار کی وہ تعریف اختیار کروں جسے ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں: **القذف بالحصى في زمان مخصوص ومكان مخصوص وعدد مخصوص. (الفقه الإسلامي وأدلته. (۱۹۲/۳)** مخصوص زمانہ میں، مخصوص جگہ میں اور مخصوص تعداد میں کنکر پھینکنا یعنی یہ سب مخصوص ہیں۔ یا یوں کہئے: **القذف بالحصى في زمان معين ومكان محدد وعدد مخصوص** (متعین زمانہ میں، مقررہ جگہ میں مخصوص تعداد میں کنکر مارنا)

تعریف سے مؤکد طریقے پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ چھوٹے کنکر پھینکنا واجب ہے۔ اس

(۱) دیکھئے: آیات (الانفال/ ۱۷) (المرسلات/ ۳۲) (الفیل/ ۱۴) حسی معنی میں اور نساء/ ۱۱۲) (النور/ ۴-۶-۲۳) معنوی مفہوم میں۔

(۲) ابن عبدالبر کی الاستذکار (۱۳/ ۱۹۷) نمبر (۱۸۵۶۶) اسی شعر کی وجہ سے عمرو بن ربیعہ مکہ سے جلاوطن کئے گئے یہاں تک کہ انہوں نے توبہ کی اور نادم ہو کر لوٹے۔

طرح نہیں جس طرح کہ بعض عامی لوگ کرتے ہیں کہ وہ جمرات پر پرانے جوتے چپل اور بڑے پتھر پھینکتے ہیں جسے آج بھی حجاج کرام جمرات کے پاس دیکھتے ہیں۔اسی طرح تعریف سے مؤکد طور پر یہ بات واضح ہورہی ہے کہ رمی صرف رمی کے دنوں میں ہوگی یعنی قربانی کے دن اور ایام تشریق میں (۱۰ سے ۱۳/ ذی الحجہ تک) اور جوشخص ان دنوں میں رمی نہ کرسکے تو دم (قربانی) کے ذریعہ اس کی تلافی ہوگی اور وہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی طرح سال کے دوسرے اوقات میں اس کی قضا نہیں کرسکتا ہے، اور رمی کی جگہ مقرر ہے جس سے آگے بڑھنا صحیح نہیں ہے۔اور رمی اسی تعداد میں ہوگی جس کی تعیین عملی سنت سے ہوتی ہے۔پس اصل یہ ہے کہ رمی اس تعداد سے نہ کم ہو نہ زیادہ۔ہاں اگر کسی کو پھینکی ہوئی کنکریوں کی تعداد میں شک ہوجائے تو شک دور کرنے کے لیے وہ اس میں اضافہ کرسکتا ہے یہاں تک کہ اس کو یقین ہوجائے کہ ہر جمرہ کے پاس اس نے سات کنکر پھینکے ہیں۔

مطلب دوم: رمی جمار کا حکم

یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی اور ایام تشریق یعنی گیارہ سے تیرہ ذی الحجہ تک تینوں جمرات کی رمی کے حکم میں علمائے امت کے درمیان اختلاف ہے۔راجح قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے، حج کے ارکان میں سے کوئی رکن یا اس کے فرائض میں سے کوئی فرض نہیں ہے، جیسا کہ ابن حزم اندلسیؒ اس کے قائل ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جس شخص نے جمرہ کی رمی نہیں کی اگر منیٰ میں رہتے ہوئے اسے یاد آجائے تو وہ رمی کرلے گا اور اگر اس کی رمی چھوٹ جائے یہاں تک کہ وہ منیٰ سے کوچ کرجائے تو وہ آئندہ سال حج کرے گا، داؤد اور ہمارے اصحاب یہی فرماتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے لہٰذا یہ فرض

ہوگیا(۱) اور رمی کے واجب ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- مسلم کی وہ حدیث جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کو اپنی سواری پر سوار ہوکر رمی فرمارہے تھے اور کہہ رہے تھے: تم لوگ مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو، اس لیے کہ میں نہیں جانتا، شاید اس حج کے بعد (دوبارہ) حج نہ کرسکوں۔(۲)

۲- ابوداؤد اور مسند احمد کی حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے (دسویں ذی الحجہ کو مکہ میں) ظہر کی نماز پڑھ لی تو وہ دن کے آخر میں (مکہ سے) چلے پھر منیٰ لوٹے، پھر وہاں ایام تشریق کی راتوں میں ٹھہرے (وہ ان دونوں میں؟) زوال آفتاب کے بعد جمرہ کی رمی کرتے، ہر جمرے پر سات کنکر پھینکتے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھتے، پہلے اور دوسرے جمرہ کے پاس ٹھہرتے، طویل قیام کرتے، گریہ وزاری کرتے اور تیسرے جمرہ کی رمی کرتے تو اس کے پاس نہیں ٹھہرتے۔(۳)

۳- علامہ قرطبی، اللہ تعالیٰ کے قول: **واذكروا اللّٰه في أيام معدودات فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى (البقرة:۱۹۸۰)** (اور اللہ کو یاد کرو مقرر دنوں میں، پھر جو شخص جلدی کر کے دو دن میں مکہ واپس آجائے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص ٹھہر جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، یہ اس کیلئے ہے جو اللہ سے ڈرے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

علماء کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت میں ایام معدودات سے مراد منیٰ کے ایام ہیں اور وہ ایام تشریق ہیں اور یہی رمی جمار کے ایام ہیں......اور ایام معدودات

(۱) المحلی لابن حزم الأندلسی، کتاب الحج، مسئلہ نمبر (۸۳۵)
(۲) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرة العقبة راکبا (۹/۴۴)
(۳) نیل الأوطار للشوکانی (۵/۷۹)

یوم النحر (۱۰رذی الحجہ) کے بعد ہیں اور یوم النحر ان میں داخل نہیں ہے۔اس لیے کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یوم النحر یعنی قربانی کے دوسرے دن (۱۱رذی الحجہ کو) کوئی شخص کُوچ نہیں کرسکتا ہے[(۱)] اور اس قول کی تائید ابوداؤد اور ترمذی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر سے مروی ہے کہ نجد کے کچھ لوگ عرفہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے کچھ سوال کیا آپ نے ایک منادی کو حکم دیا اور اس نے یہ اعلان کیا کہ حج عرفہ ہے (یعنی حج کا رکن اعظم وقوف عرفہ ہے)، جو شخص جمع بین الصلاتین کی رات (۱۰رذی الحجہ کی شب) میں طلوع فجر سے قبل عرفہ پہنچ جائے اس نے حج پالیا۔ اور منیٰ کے ایام تین ہیں، جو دونوں میں جلدی کرے (یعنی ۱۲رذی الحجہ کو رمی کے بعد منیٰ سے کوچ کرنا چاہے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو تاخیر کرے (یعنی ۱۳رذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کرے) تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔[(۲)]

پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم النحر (۱۰رذی الحجہ) کو جمرۂ عقبہ کی رمی واجب ہے اور باقی دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص منیٰ سے جلد کوچ کرنا چاہے اس کے لیے (۱۱ر ۱۲رکو) تینوں جمرات کی رمی کرنا واجب ہے اور جو شخص تقوی پر عمل کرے تو اس پر تین دن (یعنی تیرہ تک) کی رمی ہے۔

اور جس دلیل سے رمی کا واجب ہونا اور رکن کے درجہ تک نہ پہنچنا معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رمی میں نائب بنانا جائز ہے، حضرت امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ کیا بچے اور مریض کی طرف سے رمی کی جائے گی؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں اور جب مریض کی طرف سے رمی کی جائے تو وہ تحری کرکے اپنے مقام میں تکبیر کہے گا۔[(۳)] اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: جو مریض رمی نہیں

(۱) الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، طبعۃ الشعب (۱ر۸۰۹)
(۲) سنن الترمذی، کتاب الحج (۳ر۲۴۰)
(۳) الموطا لمالک بن أنس، محمد فواد عبدالباقی نے اسے صحیح کہا ہے اور اس پر حاشیہ لکھا ہے دارالحدیث جامع ازہر کے پیچھے (۱ر۴۰۸)

کرسکتا اس کی طرف سے دوسرا آدمی رمی کرے گا، مریض اس آدمی کے ہاتھ میں کنکری رکھے گا جو اس کی طرف سے رمی کرے گا اور وہ تکبیر کہے گا[1] اور جو شخص پوری رمی کو بالکلیہ چھوڑ دے تو دم (قربانی) کے ذریعہ اس کی تلافی کرے گا۔ اور جہاں تک ارکان اور فرائض کا تعلق ہے تو ان میں نائب بنانا جائز نہیں ہے اور نہ ان کے چھوٹنے پر دم کے ذریعہ ان کی تلافی ہو سکتی ہے، اس لیے دونوں کا حکم الگ الگ ہو گیا۔

مطلب سوم: رمی جمار کی حکمت

رمی جمار کی حکمت کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں: علماء نے کہا: عبادت میں اصل طاعت ہے اور یقینی طور پر ہر عبادت کی ایک حکمت ہے، اس لیے کہ شریعت کسی عبث کام کا حکم نہیں دے سکتی۔ پھر عبادت کی حکمت کو کبھی مکلّف سمجھتا ہے اور کبھی نہیں سمجھتا۔

نماز کی حکمت:

تواضع اور حکم الٰہی کے سامنے جھک جانا ہے، روزہ کی حکمت: نفس کو توڑنا اور شہوت کو ختم کرنا ہے، زکوٰۃ کی حکمت: محتاج کی غم خواری اور اعانت ہے اور حج کی حکمت: بندہ کا پراگندہ بال اور غبار آلود حال میں دور کی مسافت طے کر کے اللہ کے اس گھر تک پہنچنا ہے جسے اس نے فضیلت دی ہے جیسا کہ غلام اپنے آقا کے پاس ذلیل ہو کر پہنچتا ہے....

اور وہ عبادات جن کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا ان میں سے صفا مروہ کی سعی اور رمی جمار ہے، بندہ کو اس کا مکلّف اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اطاعت مکمل ہو جائے، اس لیے کہ یہ عبادت کی

---

(۱) الأم للشافعی (۲/ ۲۱۴)

وہ قسم ہے جس میں نہ نفس کا کوئی حصہ ہے نہ عقل کا، اس کی تعمیل پر حکم الٰہی کی بجا آوری اور کامل درجہ کے انقیاد واطاعت کے سوا کوئی دوسرا جذبہ آمادہ نہیں کرتا۔[1]

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! رمی جمار میں ہمارے لیے کیا فائدہ اور اجر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اسے اپنے رب کے پاس اس وقت پاؤ گے جب تم اس کے سب سے زیادہ محتاج ہوگے (یعنی جس دن تمہیں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے سائل سے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فلاتعلم نفس ما أخفى لهم من قرة أعين جزاء بما كانوا يعملون.** (**السجدة:١٧**)[2] (تو کسی کو پتہ نہیں کہ ان لوگوں کے واسطے ان کے اعمال کے صلہ میں آنکھوں کی کیا ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے)۔

اوپر جو بات گذری اس کا اعتراف اور احترام کرتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ اس میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

١- ہر مسلمان کو یہ یاد دلانا کہ شیطان اس کے گھات میں لگا ہوا ہے، وہ اسے اللہ تعالیٰ کے راستے سے اور رسول ﷺ کی ہدایت سے پھیرنے میں مصروف ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"**إن الشيطان لكم عدو فاتخذوه عدوا إنما يدعوحزبه ليكونوا من أصحاب السعير**" (**خاطر:٦**) (بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم اسے دشمن ہی سمجھو وہ تو اپنی پارٹی کو صرف جہنم کا ایندھن بنانے کے لیے بلاتا ہے)۔

---

(١) المجموع للنووی (٨/ ٢٤٣)

(٢) وفاء الضمانة بأداء الأمانة فن حدیث میں مؤلفہ: محمد بن یوسف اُطفیش، مطبوعہ ١٤٠٢ھ، وزارۃ التراث القومی والثقافہ (٢/ ٩٩)

انسان جس وقت ان جمرات کی رمی ٹھیک انہیں مقامات میں کرتا ہے جن میں شیطان نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم الٰہی کی تعمیل سے باز رکھنے کے لیے وسوسے ڈالا تھا، اس پر انہوں نے اسے کنکر مارا تو شیطان پیچھے ہٹ گیا۔ اس عمل کو عبادت کی صورت میں باقی رکھا گیا کہ تمام حجاج اسے ادا کریں اور یہ جانیں کہ جب شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی وسوسہ ڈالنے سے باز نہیں رہا تو پھر ان کی کیا حیثیت ہے؟

۲- بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے جو اللہ کے ذکر سے اور اس کے پھیرنے کی کوشش کرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی تائید بیہقی کی ایک روایت سے ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے آئے تو شیطان جمرۂ عقبہ کے نزدیک سامنے آیا، تو آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، پھر دوسرے جمرہ کے پاس وہ ان کے سامنے آیا تو آپ نے دوبارہ اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، پھر تیسرے جمرہ کے پاس وہ ان کے سامنے آیا تو آپ نے اسے سہ بارہ سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تم شیطان کو پتھر مارتے ہو اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت (وسنت) کی پیروی کرتے ہو۔[1]

---

(۱) سنن البیہقی، السنن الکبری لأبی بکر أحمد بن الحسین البیہقی، دار المعرفہ بیروت، کتاب الحج، باب ماجاء في بدء الرمی (۵/ ۱۵۳)

فصل دوم

رمی کے وقت پر دلالت کرنے والے
شرعی نصوص

انشاءاللہ یہاں پر میں ان شرعی نصوص کا جائزہ لوں گا جن کا رمی جمار کے وقت سے تعلق ہے، تا کہ جب ہم فقہاء کرام کی آراء سے بحث کریں تو ان کے وجوہ استدلال اور طریقۂ استدلال کے بارے میں ہمیں پوری واقفیت ہو۔ اور یہ اس لیے کہ ایک مسئلہ سے متعلق تمام شرعی نصوص پر فقہی نظر ڈالنا اور گہرائی سے ان پر غور وفکر کرنا ضروری ہے تا کہ ایسے شرعی حکم کا استنباط ہو سکے جو درستگی سے زیادہ قریب ہو۔

نص اوّل:

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

''**واذكروا الله في أيام معدودات فمن تعجل في يومين فلاإثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى واتقوا الله واعلموا أنكم إليه تحشرون**'' (البقرة: ۲۰۳) (اور اللہ کو یاد کرو مقرر دنوں میں، پھر جو شخص جلدی کرکے دو دن میں (منیٰ سے) چلا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص ٹھہر جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرے اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اسی کے پاس اکھٹا کئے جاؤ گے)۔

جمہور مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہے، یوم النحر (۱۰ر ذی الحجہ) کے علاوہ اور یہ تینوں جمرات کی رمی کرنے کے ایام ہیں (یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) اور جہاں تک ایام معدودات کی خاص طور پر ایام تشریق پر دلالت کرنے کی بات ہے تو اس کی وضاحت اس آیت میں بعد کے ٹکڑے سے ہوتی ہے اور وہ دونوں میں جلدی کرکے منیٰ سے کوچ کر جانا، یا منیٰ کے قیام کو تیسرے دن تک مؤخر کرنا ہے جیسا کہ کیاس الہراس فرماتے ہیں، وہ آگے مزید فرماتے ہیں: اہل علم کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ منیٰ کے ایام یوم النحر کے بعد تین دن ہیں۔ حاجی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے دن (یعنی ۱۲ر ذی الحجہ کو) جلدی کرکے، رمی

جمار سے فارغ ہوکر چلا جائے اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ تیسرے دن (یعنی ۱۳/ذی الحجہ تک) تاخیر کرے پھر رمی کرکے جائے۔(۱) ایسی صورت میں یہ آیت اپنے نص سے اور سنت کے بیان سے اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ رمی اس وقت صحیح ہوگی جبکہ ان ایام معدودات میں کی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہم یہ اعتبار کریں کہ یہ آیت ایام تشریق میں تینوں جمرات کی رمی کا وقت مقرر کرنے کی ایک دلیل ہے اور جہاں تک جمرۂ عقبہ کی رمی کا مسئلہ ہے تو یہ آیت اس پر دلالت نہیں کررہی ہے، بلکہ اس پر صحیح حدیث دلالت کررہی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

نص دوم:

مسلم اور ترمذی کی روایت جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمرۂ عقبہ کی رمی قربانی کے دن (۱۰/ذی الحجہ کو) چاشت کے وقت کی اور اس کے بعد والے ایام میں زوال آفتاب کے بعد۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ یوم النحر کے بعد زوال کے بعد ہی رمی کی جائے گی (۲) اور حدیث اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی آفتاب طلوع ہونے کے بعد کی ہے، آپ ﷺ ایام تشریق میں تینوں جمرات کی رمی زوال آفتاب کے بعد ہی کرتے تھے۔

نص سوم:

بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ مزدلفہ میں اترے، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ

---

(۱) احکام القرآن لعماد الدین بن محمد الطبری المعروف بالکیاس الہراس (۱/۱۲۱)، دار الکتب العلمیة بیروت۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان وقت استحباب الرمی (۱/۸۰) مطبوعہ دار البیان العربی، سنن الترمذی، کتاب الحج فی رمی یوم النحر ضحیٰ، حدیث نمبر (۸۹۴) (۳/۲۴۱) مطبوعہ دار الکتب العلمیة۔

لوگوں کی بھیڑ سے قبل منیٰ روانہ ہو جائیں [1] وہ سست رفتار عورت تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دیدی، چنانچہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل منیٰ چلی آئیں۔ اور ہم لوگ صبح تک مزدلفہ ہی میں مقیم رہے، اگر میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی طرف رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لیتی تو مجھ کو (تمام) خوشی کی چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب جمرۂ عقبہ کے پاس بھیڑ دیکھی تو تمنا کرنے لگیں کہ کاش کہ وہ بھی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی طرح رسول اللہ ﷺ سے مزدلفہ سے پہلے چلنے کی اجازت حاصل کر لیتیں، اور حدیث میں مفروح بہ کے معنی جیسا کہ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے، ہر چیز سے زیادہ خوشی ہے۔ [3]

نص چہارم:

بخاری و مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ جمع بین الصلاتین کی رات مزدلفہ میں اتریں، پھر نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہوئیں، تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر (اپنے غلام سے) فرمایا: اے میرے بیٹے کیا چاند غائب ہو گیا؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے پھر تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر دریافت کیا: کیا چاند غائب ہو گیا؟ میں نے کہا ہاں! انہوں نے کہا: پھر تو کوچ کرو، تو ہم لوگوں نے کوچ کیا اور گذر گئے (یہاں تک کہ منیٰ پہنچے) حتی کہ انہوں نے جمرہ (عقبہ) کی رمی کی، پھر لوٹیں اور اپنی قیام گاہ میں صبح کی نماز پڑھی، میں نے ان سے کہا

---

(۱) دیکھئے: فتح الباری لابن حجر (۳/۰ ۵۳) حطمة الناس سے مراد لوگوں کی بھیڑ ہے مطلب یہ ہے کہ بھیڑ سخت ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بعض بعض کو پامال کر دیتا ہے۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب من قدم ضعفة أهله بليل، حدیث نمبر (۱۶۸۱)، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب تقديم دفع الضعفة من النساء وغيرهن من مزدلفة إلى منى في أواخر الليل قبل زحمة الناس واستحباب المكث لغيرهم حتى يصلوا الصبح بمزدلفة (ص: ۴/۷۶)

(۳) فتح الباری شرح البخاری (۳۰/۰ ۵۳) دار الفکر

اجی بی بی ہم سمجھتے ہیں ہم نے تاریکی میں وقت سے پہلے کنکریاں ماریں، انہوں نے کہا بیٹا، رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ (۱)

اور حضرت اسماءؓ کے غلام کا سوال کرنا کہ قد غلسنا یعنی ہم لوگوں نے فجر سے قبل رمی کے وقت مشروع سے پہلے رمی کر لی جیسا کہ نووی نے امام مسلم کی حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔ (۲) لیکن حضرت اسماء نے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے عورتوں کے لیے فجر سے قبل سویرے رمی کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور امام مالک کی روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے اس قول سے جواب دیا کہ یہ کام ہم ان کے ساتھ کرتے تھے جو تم سے بہتر ہیں۔ (۳)

نص پنجم:

بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو (عورتوں اور بچوں کو) آگے ہی سے منیٰ روانہ کر دیتے تھے، وہ لوگ رات کو مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرتے، پھر جب تک ان کے دل میں آتا اللہ کی یاد کرتے، پھر لوٹ جاتے امام کے ٹھہرنے اور لوٹنے سے پہلے تو ان میں سے بعضے تو منیٰ میں صبح کی نماز کے وقت پہنچ جاتے اور بعضے ان کے بعد جب منیٰ پہنچتے تو کنکریاں مارتے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں یہ اجازت دی ہے۔ (۴)

---

(۱) اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان، کتاب الحج، باب استحباب تقدیم دفع الضعفة من النساء وغیرھن، نمبر (۸۱۳) (ص: ۳۴۴) فتح الباری شرح صحیح البخاری نمبر (۷۹)

(۲) صحیح مسلم شرح النووی (۹ / ۴۰) دار الفکر ۱۴۰۱ھ

(۳) تنویر الحوالک شرح مؤطا الإمام مالک للسیوطی، (۱ / ۷۷) مطبوعہ: المکتبة التجاریة الکبری

(۴) اللؤلؤ والمرجان، کتاب الحج، باب استحباب تقدیم دفع الضعفة من النساء وغیرہم، نمبر (۸۱۵)

نص ششم:

بخاری ومسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں ان لوگوں میں تھا جن کو نبی ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں اپنے گھر کے کمزور لوگوں کے ساتھ آگے منیٰ بھیجدیا تھا۔ (۱)

نص ہفتم:

امام صنعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم سے نبی ﷺ نے فرمایا: جمرہ (عقبہ) کی رمی نہ کرو یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہوجائے اور انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث کو نسائی کے علاوہ باقی پانچ صحاح نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث منقطع ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں حسن عرنی کوفی ہیں جو ثقہ ہیں، ان سے مسلم نے استدلال کیا ہے اور بخاری نے ان سے شاہد پیش کیا ہے مگر یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کی حدیث منقطع ہے، امام احمد فرماتے ہیں: حسن عرنی کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ (۲)

نص ہشتم:

امام احمد نے حضرت سلیمان بن عمرو بن الاحوص سے اور انہوں نے اپنی ماں سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کو نبی کریم ﷺ کو بطن وادی سے

---

(۱) حوالہ سابق، نمبر (۸۱۴)، المنتقی من اخبار المصطفی لمجد الدین أبی البرکات ابن تیمیة، تحقیق محمد حامد الفقی (۲/۲۷۵) نمبر (۲۶۰۱) اس کو جماعت نے روایت کیا ہے اور حدیث بخاری میں ہے، حدیث نمبر (۱۶۷۸)

(۲) سبل السلام شرح بلوغ المرام من جمع أدلة الأحکام، للإمام محمد بن اسماعیل الیمنی الصنعانی ت (۱۱۸۲ھ) دارالحدیث (۲/ ۷۴۴-۷۴۵)

جمرۂ عقبہ کی رمی کرتے ہوئے دیکھا، آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! تم میں سے بعض بعض کو قتل نہ کرے اور تم میں سے بعض بعض کو اذیت نہ پہنچائے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: اور تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، (۱) شیخ ساعاتی عبدالرحمٰن البنا نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رمی جمار میں بھیڑ اور مزاحمت کی وجہ سے اور بڑے پتھر سے رمی کے باعث تم میں سے بعض بعض کو قتل نہ کرے اور اس سبب کی بنا پر تم میں سے بعض بعض کو اذیت نہ پہنچائے۔ (۲)

نص نہم:

دارمی، احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے قدامہ بن عبداللہ بن عمار کلابی سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو صہباء اونٹنی پر سوار ہو کر رمی جمار کرتے ہوئے دیکھا، وہاں نہ کوئی مار پیٹ تھی نہ دھکم دھکا اور نہ ہٹو بچو۔ (۳)

نص دہم:

بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ سے دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں حج کے مسائل دریافت کئے جاتے تھے تو آپ ﷺ فرماتے کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے قربانی

---

(۱) الفتح الربانی شرح وترتیب مسند الإمام احمد بن حنبل الشیبانی (۱۲/۶۹) نمبر (۳۷۰) کتاب الحج، باب سبب مشروعیۃ رمی الجمرات وحکمہا

(۲) حوالہ سابق (۱۲/۱۶۹)

(۳) سنن الدارمی، کتاب المناسک، باب فی رمی الجمار، نمبر (۱۹۰۱) ترمذی کتاب الحج، باب ماجاء فی کراہیۃ طرد الناس عند رمی الجمار، نمبر (۹۰۳)، اور انہوں نے کہا حدیث حسن صحیح ہے، اور نسائی نے اسے کتاب المناسک، باب الرکوب الی الجمار میں روایت کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے کتاب المناسک فی باب رمی الجمار راکبا میں روایت کیا ہے، نمبر (۳۰۳۵) فتح الربانی، کتاب الحج، باب استحباب الرکوب لرمی جمرۃ العقبۃ والمشی لغیرھا، نمبر (۳۸۵) ص (۱۲/۱۸۳)۔

سے پہلے سر منڈا لیا، آپ ﷺ نے فرمایا اب قربانی کر لو کچھ حرج نہیں ہے اور اس نے کہا: میں نے شام ہو جانے کے بعد رمی کی، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے۔ (۱)

نص یازدہم:

بخاری نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: میں رمی جمار کب کروں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب تمہارے امام رمی کریں تو تم بھی رمی کرو، میں نے ان سے دوبارہ سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ہم لوگ انتظار کرتے تھے، یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل جاتا تو ہم لوگ رمی کرتے تھے۔ (۲)

امام مالک، امام احمد، دارمی، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی اور ابن عبدالبر نے صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے چرواہوں کو منیٰ سے باہر رات گذارنے کی اجازت دی، وہ دسویں ذی الحجہ کو رمی کرتے تھے، پھر اس کے بعد کل اور پرسوں دونوں رمی کرتے تھے، پھر (منیٰ سے) کوچ کرنے کے دن رمی کرتے تھے۔ (۳)

اور مسلم شریف کی یہ حدیث اوپر گذر چکی کہ: تم لوگ مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو۔ (۴)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب إذا رمی بعد ما أمسی نمبر (۵۳۷) فتح الباری سے۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الحج، نمبر (۱۶۲۸)

(۳) الاستذکار لابن عبدالبر (۲۱۶/۱۳) نمبر (۸۹۱)، المؤطا للإمام مالک (۴۰۸/۱)، المسند (۴۵۰/۵) سنن أبی داؤد نمبر (۱۹۷۵) رمی الجمار کے باب میں، سنن الترمذی نمبر (۹۵۵) باب ماجاء فی الرخصۃ للرعاۃ، سنن النسائی (۲۷۳/۵)، باب رمی الرعاۃ، ابن ماجۃ نمبر (۳۰۳۷) باب تاخیر رمی الجمار من عذر۔

(۴) اس حدیث کی تخریج گذر چکی۔

فصل سوم

فقہاء کے نزدیک رمی جمار کا وقت

رمی جمار کے وقت کے سلسلے میں فقہاء کی مختلف رائیں ہیں، انشاء اللہ ہم اپنے اسلامی مذاہب میں اور آج کے فقہاء کے نزدیک ان آراء کا جائزہ لیں گے، تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ یہ مسئلہ اتفاقی اور اجماعی ہے یا اس میں اختلاف ہے جس کے بعد ان میں دلیل کے لحاظ سے سب سے زیادہ قوی اور زمانے کے حالات کے لحاظ سے زیادہ مناسب رائے کو اختیار کرنے کے سلسلے میں اجتہاد کی گنجائش ہے، یعنی آج کے دور میں جبکہ بہت سے امور ومعاملات میں تبدیلی واقع ہوگئی ہے، اس لیے حالات پر احکام شرع کو منطبق کرنے اور واقعہ پر نص کی تطبیق کے وقت اس کی رعایت ضروری ہے جیسا کہ امام شاطبی اپنی موافقات میں ہمیشہ اس بات کا ذکر کرتے ہیں، جمرۂ عقبہ کی رمی کے وقت پھر تینوں جمرات کی رمی کے وقت سے متعلق ہم ان اقوال کا ذکر کریں گے۔

مطلب اوّل:

فقہی مذاہب میں جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کا وقت عید الاضحیٰ کے دن صرف جمرۂ عقبہ کی رمی ہوتی ہے۔ اختلاف اس مسئلے میں ہے کہ کیا دسویں ذی الحجہ کو فجر سے قبل رات میں تنہا اس کی رمی کی جاسکتی ہے یا فجر کے بعد، اور سورج طلوع ہونے سے قبل یا سورج طلوع ہونے کے بعد؟ اور یہ کہ اس کی رمی کا وقت کب تک باقی رہتا ہے؟ زوال تک یا مغرب تک یا رات میں بھی، یا تمام ایام تشریق میں؟ اور اب ہم اپنے اسلامی فقہی مذاہب اور اپنے بعض علماء کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں:

۱- مذہب حنفی:

جمرۂ عقبہ کی رمی شروع کرنے کا افضل وقت دسویں ذی الحجہ کو آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہے اور اگر حاجی متمتع یا قارن ہے تو مستحب یہ ہے کہ رمی منیٰ میں قربانی سے قبل یا سر منڈانے

یابال ترشوانے سے قبل ہو، یعنی منیٰ میں یہ حج سے متعلق پہلی عبادت ہو جیسا کہ امام سرخسی نے ذکر کیا ہے اور اس مذہب میں کسی عذر کی وجہ سے مثلاً مرض یا عورت کو بھیڑ کا خطرہ ہو تو مزدلفہ سے منیٰ آنے میں عجلت کرنا اور رات ہی کو منیٰ آجانا جائز ہے، اور اس کی وہ حدیث ہے جس میں یہ آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے گھر والوں میں سے کمزور لوگوں کو پہلے ہی رات میں مزدلفہ سے منیٰ بھیج دیا تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص بغیر عذر کے ایسا کرے تو اس پر دم ہے اور رمی کا وقت آفتاب غروب ہونے تک باقی رہتا ہے، اور اگر رات میں رمی کرے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلے دن زوال تک باقی رہتا ہے اور اس کے بعد قضا ہوتی ہے اس لیے کہ بعد کے تینوں دنوں کی رمی کا وقت نصف دن ہے اسی طرح پہلے دن بھی رمی کی ادائیگی نصف دن میں ہوگی۔ (۱)

اور ابن عابدین مؤکد طریقے پر یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو بھیڑ کا خطرہ ہو (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) اور وہ مزدلفہ میں رات گذارنا چھوڑ دے اور آفتاب طلوع ہونے سے قبل رمی کر لے تو اس پر کچھ نہیں ہے، پھر وہ ایک قاعدہ بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ واجب کا ترک اگر کسی عذر کی بنا پر ہو تو اس کے ترک پر کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی عذر کی بنا پر کسی ممنوع فعل کا ارتکاب ہو مثلاً سلا ہوا کپڑا پہن لے (تو اس پر تاوان ہے) اور اخیر میں وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص بغیر عذر کے فجر سے قبل رمی کر لے تو اس نے برا کیا لیکن اس پر کچھ نہیں ہے مذہب حنفی کے اکثر فقہاء کا مذہب اسی کے مثل۔ (۲)

۲- مذہب مالکی:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ متعدد احادیث روایت کرتے ہیں جن کی رو سے عیدالاضحیٰ کے دن فجر سے قبل رمی کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول یہ تھا

(۱) المبسوط (۶۴/۴)

(۲) حاشیہ ردالمحتار لابن عابدین (۵۱۱/۲-۵۱۲)

کہ جب وہ حج کے لیے جاتیں اوران کے ساتھ عورتیں ہوتیں جنہیں حیض آنے کا خطرہ ہوتا تو وہ عیدالاضحیٰ کے دن انہیں پہلے بھیج دیتیں اور وہ رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ چلی آتیں اور یہ بات فطری ہے کہ وہ طواف سے قبل رمی کرتیں اور رمی کا وقت دوسرے دن کے فجر تک باقی رہے گا اور جو شخص بلاکسی عذر کے قصداً رمی کو مؤخر کردے تو اس پر اس کی قضاء کے ساتھ فدیہ بھی واجب ہوگا[1] اور جو شخص بھول کر یا کسی عذر کی وجہ سے اسے مؤخر کردے تو اگر وہ اسے رمی کے ایام میں سے کسی دن ادا کرلے تو اس پر کچھ نہیں ہے، ابن عبدالبر نے اسی کے مثل کی طرف اشارہ کیا ہے۔[2]

۳- مذہب شافعی:

امام شافعی[3] اوراور حافظ ابن حجر عسقلانی[4] نے ذکر کیا ہے کہ عطاء، طاؤس، شعبی اور امام شافعی کی رائے ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی فجر سے قبل رات میں جائز ہے، لیکن آفتاب طلوع ہونے اور ایک نیزہ کی مقدار بلند ہونے کے بعد رمی کرنا افضل ہے جیسا کہ امام نووی نے ذکر کیا ہے[5] اور وہ تاکید کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ان کے مذہب کی رو سے جمرۂ عقبہ کی رمی دسویں ذی الحجہ کی رات میں نصف شب کے بعد جائز ہے اور افضل یہ ہے کہ آفتاب بلند ہونے کے بعد رمی کی جائے۔ عطاء اور احمد اسی کے قائل ہیں اور یہی مذہب اسماء بنت ابی بکرؓ، ابن ملیکہ اور عکرمہ بن خالد کا ہے۔ اور رملی شافعی[6] کی رائے ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی بنا پر رمی

---

(۱) المؤطا للإمام مالک (۱/۴۱۷)۔
(۲) الاستذکار لابن عبدالبر (۱۳/۶۴-۶۵)
(۳) الأم للشافعی (۲/۲۱۳)
(۴) فتح الباری لابن حجر (۳/۵۲۸)
(۵) المجموع للنووی (۲/۱۶۲)
(۶) نہایۃ المحتاج للرملی (۳/۳۰۷-۳۰۸)

کا وقت دسویں ذی الحجہ کے نصف شب سے داخل ہوتا ہے اور وہ فرماتے ہیں: نصف ہی ضابطہ ہے اس لیے کہ وہ ماقبل کے مقابلہ میں حقیقت سے زیادہ قریب ہے اور اس لیے کہ وہ مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت ہے اور مسنون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں سے آفتاب طلوع ہونے کے بعد تک مؤخر کیا جائے اور جمرۂ عقبہ کی رمی کا آخری وقت یوم النحر کے آخر تک ہے، اس لیے کہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ (صحابی نے پوچھا) میں نے شام ہوجانے کے بعد رمی کی تو حضور ﷺ نے فرمایا رمی کرلو کوئی حرج نہیں ہے اور ایام تشریق کے تینوں دنوں میں جس وقت بھی رمی کی جائے وہ ادا ہے قضا نہیں۔ اور رمی کے اوقات کو تین قسموں میں تقسیم کیا جائے گا:

اوّل: افضل وقت اور وہ طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک ہے۔

دوم: وقت اختیار اور وہ زوال سے غروب تک ہے۔

سوم: وقت جواز اور وہ ایام تشریق کے آخر تک ہے۔ انہوں نے رمی کے وقت کو قربانی کے وقت پر قیاس کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ رمی کے وقت قربانی کے وقت کے ساتھ خاص کیا جائے۔

۴- مذہب حنبلی:

مذہب حنبلی کے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ (۱) رمی کے وقت کی دو قسمیں ہیں: ایک وقت افضل اور وہ آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہے، ابن عبد البر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔

اور دوسرے وقت جواز اور اس کی ابتدا دسویں تاریخ کی نصف شب سے ہے۔ عطاء ابن ابی لیلیٰ، عکرمہ بن خالد اور امام شافعی اسی کے قائل ہیں اور امام احمد سے یہ منقول ہے کہ طلوع

---

(۱) المغنی مع الشرح الکبیر (۳/۴۴۳-۴۴۹) المقنع (۱/۴۵۶) زاد المعاد لابن القیم الجوزیہ (۲/۲۵۸-۲۵۹)

فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل رمی کافی ہو جائے گی اور انہوں نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ فجر سے قبل بھی رمی جائز ہے اور یہ ان احادیث کی بنا پر جو اس سلسلے میں وارد ہیں، لیکن رمی صرف آفتاب غروب ہونے تک ممتد ہوتی ہے، لہٰذا اگر رات داخل ہو جائے تو رمی جمار نہیں کرے گا جب تک کہ دوسرے دن آفتاب ڈھل نہ جائے اور المقنع کے حاشیہ میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص کی رمی فوت ہو جائے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے تو وہ رمی نہیں کرے گا یہاں تک کہ دوسرے دن آفتاب ڈھل جائے۔

۵- بعض شیعی مذاہب:

امام صنعانی روایت کرتے ہیں [۱] کہ رمی جمار کے وقت کے بارے میں چار اقوال ہیں:

اول: نصف شب کے بعد قادر اور عاجز دونوں کے لیے رمی کرنا جائز ہے، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں۔

دوم: رمی مطلقا فجر کے بعد ہی جائز ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

سوم: قادر کے لیے طلوع فجر کے بعد ہی جائز ہے، اور جس کے ساتھ کوئی عذر ہو اس کے لیے نصف شب کے بعد۔

چہارم: قادر کے لیے رمی کا وقت طلوع آفتاب کے بعد ہے، نووی اسی کے قائل ہیں اور نخعی نے آخری قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا: یہ قول دلیل کے اعتبار سے سب سے قوی اور سب سے راجح قول ہے۔ اور ابوطالب مطہر شیعی اور علی اصغر [۲] کی رائے یہ ہے کہ کافی ہونے کا وقت طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور افضل وقت زوال کے بعد سے ہے اور غروب تک باقی رہتا ہے اور اگر آفتاب غروب ہو جائے تو اسے مؤخر کیا جائے گا اور دوسرے دن اس کی قضا کی

---

(۱) سبل السلام (۲/ ۴۴۷-۴۴۵)

(۲) إيضاح الفوائد (۱/ ۳۱۷)

جائے گی۔ اور معذور افراد مثلاً چرواہے، اور خوف محسوس کرنے والے آدمی، غلام اور مریض کے لیے رات میں رمی کرنا جائز ہے، دوسروں کے لیے نہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ دسویں تاریخ کو چاشت کے وقت رمی کرنا بہتر ہے۔ اور عورتیں اور جو لوگ ان کے حکم میں ہیں ان کے لیے فجر سے قبل رمی کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جو غلام اور کمزور افراد مثلاً بچے ان کے ساتھ بھیجے جائیں ان کا بھی یہی حکم ہے جیسا کہ حضرت اسماءؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ (۱)

۶- مذہب ظاہری:

ابن حزم ظاہری کی رائے یہ ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی عید الاضحیٰ کے دن طلوع آفتاب کے بعد ہے۔ اور جو شخص جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا بھول جائے تو رات میں جس وقت اسے یاد آئے رمی کرلے، اور فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اس کے بعد جائز قرار دیا ہے اگرچہ شام ہوجائے۔ اور اس کا اطلاق شام اور رات دونوں پر ہوتا ہے جہاں تک طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنے کا مسئلہ ہے تو ابن حزم فرماتے ہیں کہ کسی کے لیے کافی نہیں ہے، نہ عورت کے لیے نہ مرد کے لیے، اس لیے کہ حضرت عطاء سے روایت ہے وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے گھر والوں کو پہلے (یعنی رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ) بھیجا اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ طلوع آفتاب سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی کریں، لہٰذا جو شخص طلوع آفتاب سے قبل رمی کرے تو اسے طلوع آفتاب کے بعد رمی کا اعادہ کرنا ہوگا، یہی ہمارے اصحاب کا قول ہے۔ (۲)

۷- مذہب اباضی:

جمرۂ عقبہ کی رمی میں اصل یہ ہے کہ وہ (دسویں تاریخ کو) طلوع آفتاب کے بعد زوال

---

(۱) نیل الأوطار للشوکانی (۵/۷۹)

(۲) المحلی لابن حزم (۷/۱۷۶) مسئلہ نمبر (۸۳۵)

تک ہواور جوشخص دسویں تاریخ کوزوال سے قبل رمی نہ کرسکے وہ دوسرے دن زوال کے بعد رمی کرے گا۔اورایک قول یہ ہے کہ اگراسے یادآجائے خواہ رات میں کیوں نہ ہو یارات میں اس کو پائے تو وہ اسی وقت رمی کرے گا۔(۱)

مطلب دوم: اسلامی مذاہب میں تینوں جمرات کی رمی کا وقت:

یہاں پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ تینوں جمرات کی رمی کا افضل وقت گیارہ ذی الحجہ، بارہ ذی الحجہ اور تیرہ ذی الحجہ کوزوال سے لے کر غروب تک ہے۔ پھر یہاں پر جواز کے وقت میں اختلاف ہے کہ کیااس میں اس سے زیادہ کی گنجائش ہے یانہیں؟

مذہب حنفی:

احناف کے نزدیک دوسرے فقہاء کی طرح (تینوں جمرات کی رمی کا) افضل وقت زوال سے لے کرغروب تک ہے،لیکن آخری دن (تیرہ ذی الحجہ کو) فجر کے بعد بھی رمی جائز ہے،ابن عابدین لکھتے ہیں: قربانی کے دنوں میں (یعنی ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کو) تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، لہٰذا مشہور قول کی روسے اس سے قبل جائز نہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے اور مسنون زوال سے لے کرغروب تک ہے، اور غروب سے لے کر فجر تک وقت مکروہ ہے، اور جب چوتھے دن فجر طلوع ہوجائے تو ادائیگی کا وقت فوت ہوگیا اور قضاء کا وقت ایام تشریق کے آخر تک باقی رہتا ہے۔(۲)

اور اگر کسی دن رمی نہ کرسکے تو عید کے چوتھے دن تک (یعنی تیرہ ذی الحجہ تک) کسی اگلے دن رمی کرلے اور اس پر کچھ بھی نہیں ہے،سوائے اس کے کہ اس نے برا کیا جبکہ یہ تاخیر کسی عذر کی

---

(۱) کتاب شرح النیل، محمد اطفیش (۲۳۱/۴)

(۲) حاشیہ (ردالمحتار لابن عابدین (۵۲۱/۲-۵۲۲)

وجہ سے نہ ہو، ....اور اگر تمام ایام کی رمی کو مثلاً چوتھے دن تک مؤخر کردے تو سب کی قضاء کرے گا، اور اس پر تاوان ہے۔ اور اگر قضاء بھی نہیں کیا یہاں تک کہ چوتھے دن کا سورج بھی غروب ہوگیا تو اب قضاء کا وقت فوت ہوگیا، اور وہ فرماتے ہیں: چوتھے دن کے فجر کے بعد چوتھے دن کی رمی کی اداء کا وقت ہے اور دوسرے گذرے ہوئے دنوں کی رمی کی قضاء کا وقت ہے۔ ان کی دلیل وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایام تشریق کے آخر میں جب دن شروع ہو جائے تو رمی کرو۔ (۱)

مذہب مالکی:

ابن عبدالبر نے امام مالک سے، انہوں نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ تینوں دنوں میں (یعنی ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ ذی الحجہ کو) زوال آفتاب سے قبل رمی نہیں کی جائے گی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تمام حضرات کے نزدیک رمی کی سنت ہے، اس میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن جو شخص زوال سے قبل رمی کرلے تو جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وہ زوال کے بعد دوبارہ رمی کرے گا، یہ امام مالک، امام شافعی، ان دونوں کے اصحاب، امام نووی، امام احمد، ابوثور اور اسحاق کا قول ہے اور ابوجعفر محمد بن علی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: رمی جمار کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر غروب تک ہے، (۲) اس کے باوجود جب امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص منیٰ کے دنوں میں سے کسی دن شام تک کسی جمرہ کی رمی کرنا بھول جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اسے رات یا دن میں جس وقت بھی یاد آئے اس کی رمی کرلے جیسا کہ نماز کے بارے میں مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو اسے رات یا دن میں جب یاد آئے پڑھ لے۔ اس مسئلہ کو انہوں نے ان احادیث کے بعد ذکر کیا ہے

(۱) المبسوط للسرخسی۔
(۲) الاستذکار لابن عبدالبر (۱۳/ ۲۱۴، ۲۱۵) نمبر (۱۸۲۱-۱۸۲۴)

جو رمی جمار میں رخصت سے متعلق وارد ہوئی ہیں،[۱] اسی کے مثل ابن رشد قرطبی سے منقول ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر رمی کو مؤخر کرے تو منیٰ کے ایام میں قربانی کے ساتھ اس کی قضاء کرے گا اور جو شخص جان بوجھ کر اسے مؤخر نہ کرے تو وہ صرف اس کی قضاء کرے گا اور اس پر کچھ نہیں ہے۔[۲]

مذہب شافعی:

امام شافعی کے نزدیک جمہور کی طرح رمی جمار کا افضل وقت زوال سے لے کر غروب تک ہے، رملی نے اس کا نام وقت مختار (پسندیدہ وقت) رکھا ہے اور وہ روزانہ آفتاب غروب ہونے پر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن وقت جواز ایام تشریق کے آخری دن آفتاب غروب ہونے تک باقی رہتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وقوف عرفہ کی طرح فجر تک باقی رہتا ہے۔

اور جس کی ایک دن کی رمی چھوٹ جائے تو وہ اگلے دن ایام تشریق کے آخر تک اس کی رمی کر سکتا ہے۔ اور وہ پے در پے ان کی رمی کرے گا۔ اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اگر وہ زوال سے قبل یا رات میں اس کی تلافی کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہو جائے گی اور رمی کے تمام ایام اپنی راتوں کے ساتھ ایک دن کے مانند ہیں۔ اور بعض حضرات کے نزدیک تلافی کے ساتھ دم نہیں ہے، خواہ ادا ہو یا قضاء اس لیے کہ تلافی حاصل ہو گئی۔[۳]

مذہب حنبلی:

شاید کہ مذہب حنبلی زوال کے بعد رمی کے ضروری ہونے کے قول کو اختیار کرنے میں تمام مذاہب سے بڑھ کر ہے۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ایام تشریق میں رمی زوال کے بعد ہی کرے گا۔ اگر کسی نے زوال سے قبل رمی کر لی تو وہ اس کا اعادہ کرے گا، امام احمد نے اس کی صراحت کی ہے

(۱) تنویر الحوالک، شرح مؤطا الإمام مالک، للسیوطی (۲۸۵)۔
(۲) البیان والتحصیل لابن رشد القرطبی (۴/ ۶۳)۔
(۳) الأم للشافعی (۲/ ۲۱۴)، المجموع للنووی (۸/ ۲۳۸) شرح المنہاج للرملی (۳/ ۳۱۲-۳۱۵)۔

اور یہ ابن عمر، امام مالک، ثوری، شافعی، اسحاق اور اصحاب رائے سے منقول ہے اور حسن اور عطاء سے منقول ہے، الا یہ کہ اسحاق اور اصحاب رائے نے کوچ کرنے کے دن (یعنی ۱۳ر ذی الحجہ کو) زوال سے قبل رمی کرنے کی رخصت دی ہے۔ اور منیٰ سے زوال کے بعد ہی نکلے گا، امام احمد سے بھی اسی کے مثل منقول ہے، عکرمہ نے بھی اس کی رخصت دی ہے، طاؤس فرماتے ہیں: زوال سے قبل رمی کرے گا اور زوال سے قبل کوچ کرے گا، اور اگر ایک دن کی رمی کو اگلے دن تک مؤخر کردے یا پوری رمی کو ایام تشریق کے آخر تک مؤخر کردے تو وہ سنت کا تارک ہوگا اور اس پر کچھ نہیں ہے، اس لیے کہ ایام تشریق کل کے کل رمی کا وقت ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص رمی کو اس کے اول وقت سے آخر وقت کی طرف مؤخر کردے تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، جیسا کہ اگر وقوف عرفہ کو آخر وقت کی طرف مؤخر کردے (تو اس پر کچھ نہیں ہے) اور دوسرے دن میں (پہلے دن کی) رمی کرنا قضاء نہیں کہلائے گا، اس لیے کہ وہ ایک ہی وقت ہے۔ (۱)

بعض شیعی مذاہب:

زیدی اور امامی مذہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تینوں جمرات کی رمی کا پسندیدہ وقت زوال آفتاب کے بعد سے غروب تک ہے۔ اور شوکانی نے طاؤس کے اختیار کردہ قول کی تردید کی ہے جو زوال سے قبل رمی کے جواز کا قول ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ اور ان دونوں کے نزدیک عذر والوں کے لیے (اور وہ پانی پلانے والے اور چرواہے اور اس طرح کے دوسرے لوگ ہیں ان کے لیے) رات میں رمی کرنا جائز ہے۔ ابوطالب مطہر شیعی فرماتے ہیں: معذور مثلاً چرواہا، خوف محسوس کرنے والے اور غلام اور مریض کے لیے رات میں رمی کرنا جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) المغنی لابن قدامۃ (۳/ ۴۷۴)، زاد المعاد لابن قیم الجوزیۃ (۳/ ۲۸۳-۲۸۹)

(۲) سبل السلام للصنعانی (۲/ ۷۴۶) نیل الأوطار للشوکانی (۵/ ۸۰) إیضاح الفوائد للمطہر الشیعی (۱/ ۳۱۷)

مذہب ظاہری:

ابن حزم کی رائے یہ ہے کہ رمی کا وقت زوال کے بعد سے غروب تک ہے، اور جو لوگ صاحب عذر ہیں مثلاً پانی پلانے والے اور چرواہے تو وہ رات کو رمی کریں گے۔ (۱)

مذہب اباضی:

امام ربیع سے مروی ہے کہ زوال سے قبل رمی کرنا مکروہ ہے، لیکن کافی ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے پہلے اور دوسرے دن رمی نہیں کی تو وہ تیسرے دن رمی کرے گا، اور گذشتہ کل جس کی رمی چھوٹ گئی تو وہ دن کے پہلے حصہ میں اس کی قضاء کرے گا، اور زوال تک اسے مؤخر کرنا جائز ہے۔ اور بعض حضرات نے خوف کے بغیر بھی رات میں جمرات کی رمی کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اس میں صرف جمرۂ عقبہ کا استثناء کیا ہے، لہٰذا جو شخص دسویں تاریخ کو اس کی رمی نہ کر سکے۔ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ اگر اسے دوسرے دن یاد آ جائے یا پالے تو زوال سے قبل اس کی رمی کر لے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اگر چہ اسے رات میں یاد آئے تو بھی وہ رات ہی میں اس کی رمی کر لے۔ اور ایام تشریق میں رمی کو فوت نہ کرے۔ (۲)

خلاصہ:

اپنے فقہاء کرام کے مذاہب کو پیش کرنے کے ساتھ اس کا خلاصہ ہم اس طرح پیش کر سکتے ہیں:

۱- اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی میں افضل وقت عید الاضحیٰ کے دن طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے اور جمرات کی رمی میں افضل وقت ایام تشریق میں

(۱) المحلی لابن حزم، مسئلہ نمبر (۸۳۵) (۱۷۶/۷-۱۷۸)
(۲) کتاب شرح النیل (۲۳۰/۴-۲۳۲)

زوال کے بعد سے غروب تک ہے۔

۲- اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کمزوروں، عورتوں اور بچوں کے لیے طلوع آفتاب سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی کی اجازت دی ہے، لیکن یہاں پر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ انہوں نے فجر سے قبل رمی کی تھی یا اس کے بعد میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ اکثر حالات میں یہ رمی فجر سے قبل تھی۔ اور اس سے بھی کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ ایسے حالات پائے گئے ہوں کہ انہوں نے فجر کے بعد رمی کی ہو، اسی وقت پہنچنے کے نتیجے میں۔ تو چونکہ حالات میں اختلاف ہے اس لیے اس اختلاف کا احتمال ہے کہ وہ فجر سے قبل اور اس کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل ہو۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں بخاری نے یہ صراحت کی ہے کہ ان میں سے یعنی رخصت والوں میں سے) بعض لوگ فجر کی نماز کے وقت منیٰ آئے ہوں اور ان میں سے کچھ لوگ وہ ہوں جو اس کے بعد آئے ہوں، اور جب وہ آئے ہوں گے تو اس وقت رمی کی ہوگی۔ (۱)

۳- یہاں پر اس مسئلہ میں بھی اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے چرواہوں اور پانی پلانے والوں کو دو چیزوں کی رخصت دی ہے:

الف- یہ کہ وہ دونوں کی طرف ایک مرتبہ پے در پے رمی کریں۔

ب- یہ کہ وہ رات میں تینوں جمرات کی رمی کریں اور وہ وقت افضل کے بعد ہے۔

۴- یہاں پر اس مسئلہ میں بھی اتفاق ہے کہ جس شخص کی ایک دن کی رمی چھوٹ جائے تو وہ دوسرے دن اوّل فرصت میں رمی کرے گا جو اسے حاصل ہو بشرطیکہ تیرہ ذی الحجہ کی شام کو رمی ختم ہو جائے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اگر جمرۂ عقبہ کی رمی فوت ہو جائے تو زوال کے بعد رمی کرے گا یا کسی وقت بھی، اسی طرح اگر تینوں جمرات کی رمی کسی دن فوت ہو جائے تو وہ اس کی قضاء زوال سے لے کر غروب تک کرے گا یا کسی وقت بھی رمی کی قضاء کرنا صحیح ہے؟

(۱) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب من قدم ضعفة أہلہ

۵- یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو رہی ہے کہ ہمارے فقہاء نے خاص حالات والوں کے لیے یا بھیڑ یا مرض کو ایسے اعذار میں شمار کیا ہے جن کی وجہ سے ان کے لیے دوسرے وقت میں یا دوسرے دن رمی کرنا جائز ہے۔

٦- میرا خیال یہ ہے کہ اگر ہمارے فقہاء آج تک زندہ رہتے اور اس بھیڑ کا مشاہدہ کرتے اور بیس لاکھ سے زیادہ افراد کو حج کرتے ہوئے دیکھتے تو وہ رمی کے وقت میں توسیع اور اضافہ کرنے کے وجوب کا فتوی دیتے اور کہتے کہ فجر سے لے کر دوسرے دن کے فجر تک جس وقت بھی ممکن ہو رمی کرنا جائز ہے۔ آگے میں ہم رمی جمار کے وقت کے سلسلے میں اپنی ترجیح پیش کر رہے ہیں۔

فصل چہارم

رمی جمار کے وقت کے سلسلے میں محقق کا اجتہاد

رمی جمار کے وقت سے متعلق شرعی نصوص کا پھر مختلف فقہی مذاہب کے فقہاء کی آراء کا جائزہ لینے کے بعد مجھ پر یہ حقیقت واضح ہورہی ہے (واللہ اعلم) کہ ہم جس زمانہ میں ہیں اس کے حالات، پھر عام طور پر مسلمانوں کی تعداد اور خاص طور پر حجاج کرام کی تعداد کے زیادہ ہونے کے باعث یہاں تک کہ سعودی حکومت بھی اس بات پر مجبور ہوئی کہ وہ ہر ملک کا کوٹہ مقرر کردے کہ حاجیوں کی تعداد اس سے آگے نہ بڑھے۔ اور یہ شریعت کی واقعی ضرورت کی خاطر ایک مباح چیز سے روکنا ہے اور حج کا ویزا حاصل کرنے کے لیے تعداد کے لحاظ سے شرائط مقرر کرنا ہے۔ اس لیے کہ ہر سال سعودی عرب کے علاوہ بیرونی ممالک سے آنے والے حاجیوں کی تعداد بیس لاکھ سے کم نہیں ہوتی ہے، اندرون ملک کے حاجیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ ان سب چیزوں کا تقاضہ یہ ہے کہ (اس دور کے حالات کے پیش نظر) رمی جمار کے وقت میں درج ذیل طریقے پر ترجیح ہو:

۱ - **وقت افضل:** یہ وہ اوقات ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے رمی کی ہے اور تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی ﷺ کی سنت کی اتباع میں یہی افضل ہے اور وہ عید کے دن طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے، یعنی جمرۂ عقبہ کی رمی کا افضل وقت اور گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کا افضل وقت زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے اور یہ اوّل وقت میں نماز پڑھنے والے کے مشابہ ہے۔ اور اس رمی کا نام جسمانی قوت رکھنے والوں کے لیے رمی عزیمت رکھا جاسکتا ہے۔ ہمارے اسلامی مذاہب میں اس پر اتفاق ہے۔ اور اگر کسی مسلمان مرد یا عورت کو اس کا یقین ہو یا غالب گمان ہو کہ اس افضل وقت میں رمی کرنے کی صورت میں وہ ہلاک ہوجائے گا یا پریشان کن یا لاچار و مجبور بنادینے والے مرض میں مبتلا ہوجائے گا تو اس کے لیے افضل پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ وہ جان کو ہلاکت یا ضیاع سے بچانے کی ضرورت کی خاطر رمی کو دوسرے یا تیسرے وقت تک جس کا ذکر آگے آرہا ہے مؤخر کرے گا۔

۲- وقت اداء یا جواز: اور وہ ہر ایسے شخص کے لیے وقت رخصت ہے جو وقت افضل میں رمی کرنے پر قادر نہ ہو۔ ایسا شخص جمرۂ عقبہ کی رمی عید کے دن آدھی رات ہی سے شروع کردے گا، جیسا کہ نبی ﷺ نے کمزور عورتوں اور بچوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے اور جیسا کہ حضرت اسماء رضی اللہ نے رمی کی ہے اور یہ وقت اگلے دن کے فجر تک یعنی گیارہویں ذی الحجہ کی صبح تک باقی رہتا ہے۔ فقہاء حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور زیدیہ اس سے نہیں روکتے ہیں، البتہ اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے اور ظاہریہ اور اباضیہ نے اسے ممنوع قرار دیا ہے اور جب اس مسئلہ میں اختلاف ثابت ہو گیا تو ہمیں یہ حق ہے کہ اس قول کو اختیار کریں جو ہمارے زمانہ کے حالات کے زیادہ مناسب ہو، خاص طور پر جانوں کو ہلاکت سے بچانے کے لیے اور تینوں جمرات کی رمی فجر سے شروع ہوگی اور اگلے دن کے فجر سے پہلے تک اس کا وقت باقی رہے گا۔ اس میں صرف آخری دن (یعنی تیرہ ذی الحجہ) کا استثناء ہے کہ اس کا وقت تیرہ ذی الحجہ کے غروب تک باقی رہے گا اور یہ اس شخص کے مشابہ ہے جو صبح یا ظہر یا ان کے علاوہ کسی اور وقت کی نماز اوّل وقت کے بعد یا آخری وقت میں پڑھے۔

۳- وقت قضاء: اور یہ تشریق اور رمی کے تمام ایام میں ہے۔ لہٰذا جو شخص عید الاضحیٰ کے دن اوّل وقت میں جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کر سکے یا بعد کے دنوں میں کسی بھی جمرے کی رمی نہ کر سکے یا کسی عذر کی وجہ سے اسے مکمل چھوڑ دے تو وہ جس جمرہ یا جن جمرات کی رمی نہیں کر سکا ہے ایام تشریق میں اس کی قضاء کرے گا۔ اور قضاء کا وقت (اس کی جسمانی طاقت کے اعتبار سے) گیارہ ذی الحجہ کی فجر سے لے کر تیرہ ذی الحجہ کے مغرب تک ہے۔ اور یہ اس شخص کے مشابہ ہے جس کی فجر کی نماز فوت ہو جائے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جائے یا عصر کی نماز فوت ہو جائے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے تو وہ اسے بعد والی نماز شروع کرنے سے قبل پڑھے گا۔ اس کے جواز میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے ان کا اختلاف صرف قضاء کے وقت کے بارے میں ہے

کہ وہ زوال سے غروب تک ہے یا کسی وقت بھی؟

اور یہاں پر (میرے نزدیک جو راجح ہے اس کے لحاظ سے) جمرۂ عقبہ کی رمی کے وقت کے سلسلے میں عمومی اور خصوصی دلائل ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

مطلب اوّل: رمی جمار کے وقت کی توسیع کے وجوب پر عمومی دلائل:

جو شخص اپنے جسم کو یا جان کو ضرر پہنچائے بغیر یا مرض کا شکار ہوئے بغیر افضل وقت میں رمی جمار پر قادر ہو اس پر رمی جمار کے واجب ہونے کے عمومی دلائل ہیں، اور جو شخص پہلی صورت پر قادر نہ ہو وہ اداء کے وقت میں رمی کرے گا، یا جسے کوئی ضرورت یا حاجت افضل وقت میں یا اداء کے وقت میں رمی سے مشغول رکھے وہ قضاء کے وقت میں رمی کرے گا۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل: قتل نفس سے منع کرنے والے شرعی نصوص:

قتل نفس کی ممانعت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما. (النساء/ ۲۹) (اور آپس میں ایک دوسرے کا قتل نہ کرو بیشک اللہ تمہارے اوپر بڑا مہربان ہے)۔

طبری فرماتے ہیں: یعنی تم میں سے بعض بعض کو قتل نہ کرے، جبکہ تم ایک ملت، ایک دعوت اور ایک دین والے ہو، پس اللہ تعالیٰ نے تمام اہل اسلام کو بعض کو بعض سے قرار دیا ہے۔ اور جو شخص کسی کو قتل کرے اس کو ایسا قرار دیا ہے کہ گویا اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا، اس لیے کہ قاتل اور مقتول ان لوگوں کے مقابلے میں جو ان کی ملت کے مخالف ہیں ایک ہاتھ کی طرح ہیں، یہ قول سدی اور عطاء سے منقول ہے۔ اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کی اس رحمت میں سے

جواس آیت میں وارد ہے تم میں بعض کا بعض کے قتل سے رک جانا ہے۔ (۱)

اور قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ یہاں پر اہل تفسیر کا اتفاق ہے کہ بعض لوگوں کا بعض کو قتل کرنا حرام ہے اور یہ بھی حرام ہے کہ انسان خودکشی کرے، اس طور پر کہ وہ اپنے کو ایسے غرر اور دھوکہ پر آمادہ کرے جو اس کی ہلاکت کا سبب بنے، (۲) اور جیسا کہ طبری اور قرطبی نے ذکر کیا ہے، ابن عربی (۳)، جصاص، (۴) آلوسی (۵)، شوکانی (۶)، اور محمد یوسف اطفیش (۷) کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور یہاں پر ایسا یقین ہو جس میں ذرہ برابر شک نہیں اور آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ جب مسلمان رمی جمار کے لیے مزاحمت کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں ایک دوسرے کا قتل ہوتا ہے۔ ۱۴۱۵ھ میں پانچ ہزار سے زیادہ حجاج قتل ہوئے جبکہ وہ سب بیک دفعہ جمرات تک پہنچانے والے سرنگوں میں چل پڑے۔ اور میں نے یہ ۱۴۱۸ھ کے حج میں دیکھا، جبکہ بارہویں ذی الحجہ کو دوسو سے زیادہ حاجی قتل ہوئے، ایک دن میں بعض نے بعض کو قتل کیا۔ جہاں تک سرکاری اعداد و شمار کا تعلق ہے تو وہ حقیقی تعداد کا اعلان نہیں کرتے، تاکہ حاجیوں کے دل میں رعب داخل نہ ہو۔ لیکن اندازے سے پتہ چلتا ہے کہ تنہا رمی جمار کے سبب ہر سال کم از کم پانچ سو حاجیوں کی جان جاتی ہے، اور ۱۴۲۴ھ میں صرف پہلے دن ۲۵۰/حاجیوں کی جان تلف ہوئی۔ اور اگر چہ مقتولین کی تعداد محدود ہو لیکن ایک مسلمان کی حرمت اللہ کے نزدیک خود کعبہ کی حرمت سے بڑھ کر ہے لہٰذا ضروری ہو جاتا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں جو حجاج ہر سال اپنے

---

(۱) جامع البیان للطبری (۳۵/۵)
(۲) الجامع لأحکام القرآن للقرطبی (۱۷۲۶/۲)
(۳) أحکام القرآن لابن عربی (۴۱۱/۱)
(۴) احکام القرآن للجصاص (۱۸۲/۲)
(۵) روح المعانی للآلوسی (۱۶/۵)
(۶) فتح القدیر للشوکانی (۴۵۸-۴۵۷/۱)
(۷) تیسیر التفسیر لمحمد یوسف اطفیش (۳۰۹/۲)

مسلمان بھائیوں کے پیروں کے نیچے کچلے جاتے ہیں اس کا کوئی شرعی حل تلاش کیا جائے۔

اور اگر ہم اس آیت (اور اس کے مشابہ دوسری آیات) پر گہری نظر ڈالیں گے تو ہم دیکھیں گے کہ اس آیت کے درمیان اور صحابہ کرام بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کی عملی تطبیقات کے درمیان گہرا ربط ہے جن میں سے کچھ درج ذیل ہے:

الف- دفعہ آٹھ میں مذکور نص جسے امام احمد نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ جب بطن وادی سے جمرۂ عقبہ کی رمی فرمار ہے تھے تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے بعض بعض کو قتل نہ کرے اور بعض بعض کو اذیت نہ پہنچائے اور ایک روایت میں "ولاتقتلوا أنفسکم" کے الفاظ ہیں یعنی تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ (۱)

ب- ابوداؤد کی روایت جو حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ ذات السلاسل کے موقع پر جس میں وہ لشکر کے قائد تھے، جنابت کی حالت میں تیمّم کیا اور لشکر کو نماز پڑھائی۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لشکر کی واپسی ہوئی اور صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت عمرو کے اس فعل کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے پایا۔

"ولاتقتلوا أنفسکم إن اللّٰه کان بکم رحیما" (النساء / ۲۹) (اور خون نہ کرو آپس میں بیشک اللہ تمہارے اوپر بڑا مہربان ہے)۔

اس پر رسول اللہ ﷺ ہنسے اور کچھ نہیں کہا۔

پہلی حدیث اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ رمی اس کا سبب بنے کہ لوگوں میں سے بعض کو قتل کریں، آیت کریمہ پر عمل کرتے ہوئے۔ اور دوسری نص ایک ایسے امر تعبدی میں اجتہاد ہے جو وضوء یا پانی کی موجودگی میں تیمّم کرنے سے متعلق ہے اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے محسوس کیا کہ یہ آیت پانی کے موجود ہوتے ہوئے ان کے لیے تیمّم کی اجازت

(۱) اس حدیث کی تخریج گذر چکی۔

فراہم کررہی ہے، اس لیے کہ رات ٹھنڈی ہے اور پانی کے استعمال سے ان کے جسم کو اذیت لاحق ہوگی۔ اور یقینی بات یہ ہے کہ غالب گمان ہی کی بنا پر حضرت عمرؓو نے ایسا کیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے بقیہ اصحاب نے ان پر نکیر کی۔ اور اگر یہ یقین حاصل ہوجاتا کہ غسل ہلاکت کا سبب بنے گا تو کوئی ان پر نکیر نہ کرتا اور نہ نبی ﷺ سے اس کی شکایت کرتا، لیکن نبی ﷺ نے ان کے اجتہاد کو برقرار رکھا، بلکہ ان کی قوت استدلال، مقاصد شریعت کو سمجھنے میں ان کی اصابت رائے اور دور اندیشی اور قرآنی آیت کو نئے پیش آمدہ مسئلے کے ساتھ مربوط کرنے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت عمرو نے اجتہاد کرنے اور نص جزئی اور قاعدۂ کلیہ کے درمیان ترجیح دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ ان کا اجتہاد امت کے لیے توسع پیدا کرنے کا ذریعہ بنا، پھر اب ہم ایک وسیع چیز کو تنگ کیوں کریں؟

دوسری دلیل: ضرورتوں کی حفاظت کی ضرورت:

امام شاطبی نے ذکر کیا ہے کہ جان کی حفاظت پانچ ضرورتوں میں سے ایک ہے۔[۱] وہ فرماتے ہیں: انسان کی جان محترم اور قابل حفاظت ہے۔ اور اس کا زندہ رکھنا شرعاً مطلوب ہے۔ اس طور پر کہ اگر معاملہ اس کے زندہ رکھنے اور مال کو اس پر تلف کرنے یا جان کو تلف کرنے اور مال کو باقی رکھنے کے درمیان دائر ہو تو جان کو زندہ رکھنا بہتر ہوگا۔ اور اگر جان کو زندہ رکھنے کی صورت میں دین کا خاتمہ ہو تو دین کو زندہ رکھنا بہتر ہوگا، اگرچہ اس کے نتیجے میں جان کا خاتمہ ہو جیسا کہ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی صورت میں ہے۔[۲]

---

(۱) ہمارے اکثر علماء کی رائے ہے کہ ضرورتیں پانچ ہیں اور وہ: دین، نفس، نسل، عقل اور مال ہے اور میں اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ وہ عزت وآبرو کی حفاظت کے اضافہ کے ساتھ چھ ہوں۔ اور یہ اگرچہ نسل سے متعلق ہے لیکن کچھ حالات میں اس سے الگ بھی ہے۔ اسی میں عورت کی وہ حالت ہے جس میں عزل (یعنی مانع حمل کوئی طریقہ) اختیار کیا جائے کہ اس صورت میں اختلاط نسب نہیں ہوتا ہے۔

(۲) الموافقات للشاطبی (۱/۲۷)

امام شاطبی کی رائے یہ ہے کہ حفظ نفس، جان کو قتل کے ذریعہ ہلاک ہونے سے بچانے اور اسے سخت مشقت میں ڈالنے والے امور سے اس کی حفاظت کرنے ان سب کو شامل ہے۔ اور اگر یہ فتویٰ دیا جائے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی افضل وقت کے علاوہ میں جو جمرۂ عقبہ کی رمی میں طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک اور تینوں جمرات میں زوال سے لے کر غروب تک ہے جائز نہیں ہے تو شاید یہ براہ راست جانوں کی ہلاکت کا یا انہیں سخت مشقت میں مبتلا کرنے کا سبب بنے گا۔ میں نے حج کے دوران متعدد سالوں میں رمی کے بعد خاص طور پر حجاج کرام کی حالت کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے پایا کہ نوجوان لوگ اس میں سخت مشقت محسوس کرتے ہیں جو عبادت میں مقبول حد سے زیادہ ہے. جی ہاں، حج وہ جہاد ہے جس میں کانٹا نہیں چبھتا جیسا کہ نبی ﷺ نے ذکر فرمایا ہے۔ لیکن شریعت کے مقررہ اصول میں سے یہ نہیں ہے کہ لوگ اس رمی جمار کی وجہ اگر قتل نہ ہوں تو سخت مصیبت میں لازماً مبتلا ہوں، حالاں کہ رمی کا اگر بالکلیہ ترک ہو جائے تو بھی حج صحیح ہے اور اس پر فدیہ واجب ہے۔ تو کیا حج کے ایک ایسے عمل کی وجہ سے جو رکن نہیں ہے جان کو ہلاک کرنا یا اسے ایسی مشقت میں ڈالنا جو برداشت کی حد سے زیادہ ہو شرعاً جائز ہوسکتا ہے؟

تیسری دلیل: شرعی قواعد:

شرعی قواعد وہ احکام کلیہ ہیں جن کا استنباط فقہاء نے شرعی دلائل اور مسائل کے مجموعہ سے کیا ہے جیسا کہ شیخ احمد زرقا تحریر فرماتے ہیں۔[1] ان پر کوئی ایک نص دلالت نہیں کرتی بلکہ شرعی مسائل کا مجموعہ دلالت کرتا ہے اور یہ بات شریعت کے استقراء اور اس کے کلی اور جزئی دلائل پر غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے جیسا کہ امام شاطبی نے ذکر کیا ہے۔[2] یہاں پر کچھ ایسے قواعد ہیں

(۱) شرح القواعد الفقہیۃ للشیخ احمد الزرقا تحقیق ڈاکٹر عبدالستار ابوغدہ

(۲) الموافقات للشاطبی (۲/۴۹)

جن پر حجاج کی کثرت کے باعث جانوں کولاحق ہونے والے ضرر کے یقینی ہونے کی بنیاد پر رمی کے وقت میں توسیع کے وجوب پر اعتماد کیا جاسکتا ہے ان میں سے چند قواعد درج ذیل ہیں:

پہلا قاعدہ: ضرر کو دور کیا جائے گا(۱)

یہ ضرر جو حجاج کرام کو بھیڑ کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے بہت سے وسائل کے ذریعہ اس کا ازالہ ضروری ہے۔ ان میں سے ایک حاجیوں میں شعور پیدا کرنا، ان کی ذہن سازی اور تربیت ہے اور نئے طریقے پر منیٰ کی منصوبہ بندی کرنی ہے اور گذرنے والوں کی جگہوں پر جو بعض عمارتیں ہیں انہیں اٹھا دینا ہے اور ان میں سے ایک رمی جمار کے وقت میں توسیع کرنا بھی ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے پیروں تلے لوگوں کے کچلے جانے اور ہلاک ہونے میں بڑی توہین اور ضرر ہے اور شریعت ازالۂ ضرر کا حکم دیتی ہے حتی کہ ایسے امور میں بھی جو اس سے کم درجہ کے ہیں اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: نہ دوسروں کو ضرر پہنچانا ہے نہ خود ضرر اٹھانا ہے۔ لہٰذا اگر ہم لوگوں کو یہ فتویٰ دیتے رہیں کہ پہلے دن جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت فجر سے زوال تک اور دوسرے دنوں میں تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال سے غروب تک ہے تو ہم انہیں ضرر اٹھانے پر مجبور کریں گے۔

لیکن اس اطمینان کے ساتھ اپنے حج کے دوران اور بھیڑ کی کیفیت اور مردوں اور عورتوں کے اختلاط اور بعض لوگوں کو اس بھیڑ کا شکار ہوتے دیکھ کر مجھ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس قاعدہ کو اختیار کرنے کے ساتھ ضروری ہے کہ اس کے فروغ کو بھی اختیار کیا جائے، اور وہ درج ذیل ہیں:

۱- ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں(۲)

۱- اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ افضل اوقات کے علاوہ میں رمی کرنا ممنوع ہے (حالانکہ ایسا نہیں ہے) تو بھی رفع حرج کے لیے اس قاعدہ پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور اس سے بڑھ کر کوئی

(۱) الأشباہ والنظائر لابن نجیم (۸۵)، الأشباہ والنظائر للسیوطی (۱۳۱)، شرح القواعد الفقہیۃ (۱۲۵)۔
(۲) الأشباہ والنظائر لابن نجیم (۸۵)، الأشباہ النظائر للسیوطی (۹۳)۔

اور ضرورت نہیں ہوسکتی کہ جانوں کو ہلاکت سے یا اس حدتک مشقت میں ڈالنے سے بچایا جائے۔ بہر حال یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کی بنا پر وقت افضل سے تجاوز کر کے وقت ادا یا وقت قضاء میں رمی کو لازم کرتی ہے۔

اور جبکہ شریعت نے جان کو ہلاکت سے بچانے کے لیے مردار اور خنزیر کے گوشت کو مباح قرار دیا ہے تو رمی کے وقت میں توسیع کرنا تو ممنوع میں داخل بھی نہیں ہے۔ اور اس بنا پر اس کو اس پر قیاس کرنا زیادہ بہتر ہے یا یہ کہا جائے کہ خود یہ نصوص ہی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

۲- جو چیز ضرورت کی بنا پر مباح ہوتی ہے وہ ضرورت ہی کی حدتک محدود رہتی ہے (۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ بلا وجہ اس کا دروازہ نہ کھولا جائے کہ ساری ہی لوگ وقت فضیلت یا وقت ادا سے تجاوز کر جائیں۔ بلکہ جو لوگ افضل وقت میں رمی کرنے پر قادر ہیں انہیں اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اسی وقت میں رمی کرنے کے لیے نکلیں۔لیکن میری رائے یہ ہے کہ اگر قدرت رکھنے والے لوگوں کی ایسی کثرت ہو جائے کہ ان کی بھیڑ کے نتیجے میں یقینی طور پر یا ظنِ غالب کی حدتک ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر لوٹ جانا اور اس کے لیے دوسرا وقت مقرر کرنا ضروری ہے، خواہ وہ وقت افضل ہو یا وقت اداء یا وقت قضاء۔

۳- زیادہ سخت ضرر کو ہلکے ضرر سے دور کیا جائے گا (۲)

اگر جانوں کی حفاظت یا انہیں شدید مشقت سے بچانے یا عورتوں کے اختلاط سے بچنے کی خاطر حاجی اوّل وقت میں رمی کے لیے نہ جائے اور وقت افضل فوت ہو جائے تو اس کا تعلق اسی باب سے ہے کہ زیادہ شدید ضرر کو اس سے کم درجہ کے ضرر سے دور کیا جائے گا اور ہلکا ضرر یہاں

---

(۱) حوالہ سابق ص: (۸٦)، وللسیوطی (۹۳)

(۲) الأشباه والنظائر لابن نجیم (۸۸-۸۹) وللسیوطی (۹٦)، الموافقات للشاطبی (۲/۴۱) شرح القواعد الفقہیۃ للزرقاء (۱۴۴)

پر رمی کے افضل وقت کا فوت ہوجانا ہے۔ اور مجھے (اللہ کی رحمت کی امید کی بنا پر) یہ محسوس ہوتا ہے کہ جو شخص لوگوں کی جان کی حفاظت کی نیت سے ایسا کرے گا تو اسے اتنا ہی اجر وثواب ملے گا جتنا کہ وقت افضل میں رمی کرنے والوں کو ملتا ہے۔

دوسرا قاعدہ: مفاسد کو دفع کرنا مصالح کے حصول پر مقدم ہے (۱)

اگر افضل وقت میں رمی کرنے سے (جس میں زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے) قطعی طریقے پر قتل اور ممنوع اختلاط کے مفاسد لازم آتے ہوں تو مذکورہ بالا قاعدہ کی رو سے یہ لازم ہوتا ہے کہ رمی جمار کے وقت میں توسیع کی جائے۔

تیسرا قاعدہ: حاجت خواہ عام ہو یا خاص ضرورت کے قائم مقام ہوجاتی ہے (۲)

اس قاعدہ کی بنیاد پر: سخت بھیڑ کی وجہ سے مرد وعورت جس اذیت کا نشانہ بنتے ہیں وہ حاجت سے متعلق چیزوں کو ضرر پہنچانے کی ادنی حد ہے۔ اور شریعت نے صرف ضروریات کی حفاظت نہیں کی ہے بلکہ حاجیات (حاجت سے متعلق امور) کی بھی حفاظت کی ہے۔ پس اگر کوئی بھی آدمی ہلاک نہ ہوا اور بھیڑ جسم اور جان کو مشقت میں ڈالنے والی ہو تو یہ مشقت (جس صورت میں ہم اسے دیکھ رہے ہیں) یہ حاجت کے پہلو کو ضرر پہنچانے والی ہے۔ اور حاجت ضرورت کے درجے میں اتر جاتی ہے۔

چوتھا قاعدہ: ضروری کو خلل پہنچانا حاجتی اور تحسینی کو بھی خلل پہنچاتا ہے (۳)

اگر رمی جمار میں جان ہلاکت کا شکار ہوجائے یا اسے جاں گسل مشقت لاحق ہوجائے، حالانکہ یہ کوئی رکن نہیں ہے تو اگر یہ حادثہ جمرۂ عقبہ کی رمی میں واقع ہو تو پھر بیت اللہ کے طواف

(۱) الأشباہ والنظائر لابن نجیم (۹۰) وللسیوطی (۹۷)۔

(۲) الأشباہ والنظائر لابن نجیم (۹۱) وللسیوطی (۹۷)۔

(۳) الموافقات للشاطبی (۱۶/۲)۔

کے بغیر اس کا حج مکمل نہ ہوگا یا پھر وہ طواف کو ایام تشریق کے آخر تک مؤخر کرے گا، اور اگر کوئی شخص اس طریقے کی وجہ سے مرجائے یا بیمار ہوجائے تو وہ تمام افراد متأثر ہوں گے جو اس کے ارد گرد ہیں یعنی محرم لوگ، احباب و اقارب اور وہ وفد جو اس کے ساتھ ہے اور یہ احساس ہوگا کہ یہ شخص ایسے سبب سے ہلاک یا سخت بیمار ہوا ہے جس سے بچنا ممکن تھا۔ بلکہ نبی ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم سخت بھیڑ سے بچیں اور یہ کہ ہم میں سے بعض بعض کو اذیت مصیبت نہ پہنچائے۔ اور جب مصالح کی ترتیب یہ کہتی ہے کہ جان کی حفاظت ضروری ہے۔ اور یہ سب شعائر حج کو مکمل کرنے والے ہیں تو تحسینی امور کی وجہ سے ضروری امور میں خلل واقع ہونے کو شریعت درست قرار نہیں دیتی۔ اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ نماز دین کی حفاظت کے لیے ضروری اور وضوء فرض یا نماز کے شرائط میں سے ایک شرط ہونے کے لحاظ سے اس کو مکمل کرنے والی چیز ہے لیکن اگر وضو یا غسل میں پانی کے استعمال کی وجہ سے بدن کو ضرر لاحق ہویا تو اس وجہ سے کہ بدن میں کوئی بیماری ہو یا پانی ٹھنڈا ہو یا پانی تک پہنچنے کی راہ میں کوئی ایسی چیز پائی جائے جس سے انسان کو خطرہ لاحق ہو تو بدن کی حفاظت کی خاطر وضو یا غسل کے بدلے تیمّم کرنا متعین ہے۔ تا کہ جسم بھی محفوظ رہے اور نماز بھی نہ چھوٹے۔ (۱)

پانچواں قاعدہ: حرج کو دفع کیا جائے گا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مايريدالله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم.** (المائدہ/۶) اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے۔

(۱) دیکھئے: میرے دکتوراہ کے رسالہ: ''مدى حجية الأدلة المختلف عليها في الشريعة الإسلامية'' إشراف ا۔ د۔ محمد بلتاجی عمید کلیۃ دار العلوم سابقاً'' کی تیسری فصل جو مصالح مرسلہ کی حجیت کے گرد گھومتی ہے، اور اس میں مصالح کے اقسام اور تعارض کی صورت میں ان کی ترجیح سے بحث کی گئی ہے۔ دیکھئے ص (۳۶۴-۳۷۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وما جعل عليكم في الدين من حرج (الحج / ۷۸)**
(اوراس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی)

لہٰذا شارع کا مقصود یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو حرج اور تنگی میں ڈالے اور انہیں ایسی مشقت برداشت کرنے پر مجبور کرے جس کی ان میں طاقت نہ ہو، جس میں ان کی جان ہلاک ہوجائے یا اس میں ان کی ہڈی ٹوٹ جائے، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا مقصد حرج کو اٹھانا اور ضرر کو دور کرنا اور آسانی پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"**يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر ولتكملوا العدة ولتكبروا الله على ما هداكم**" (**البقرة: ۱۸۵**) (اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے وہ تمہارے ساتھ سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اوراس لیے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ کی بڑائی کرو اس پر کہ اس نے تم کو راہ بتائی)۔

مذکورہ بالا اصول کی بنا پر لوگوں کو اس بات کا مکلّف بنانا کہ وہ افضل وقت میں رمی کریں، انہیں قطعی طریقے پر حرج میں مبتلا کرنا ہے اور یہ ایسی تکلیف ہے جو طاقت سے باہر ہے اور عام مسلمان علمائے امت کے تابع ہیں اور وہ ضرورت، حاجت اور تحسین پر مبنی مصالح کے درمیان فرق نہیں کرسکتے۔ لہٰذا وہ فتویٰ پر عمل کرنے کے لیے پورے جوش اور جذبے کے ساتھ پل پڑتے ہیں، اگر انہیں ہلاکت سے بھی دوچار ہونا پڑے تو بھی وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، لیکن جن علماء کو اللہ تعالیٰ نے علمی بصیرت اور صورت حال کو سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ شرعی مصالح کے ساتھ حرکت کریں، جیسا کہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ "جہاں مصلحت پائی جائے وہیں اللہ کی شریعت ہے"(۱)۔

چھٹا قاعدہ: مشقت آسانی کو کھینچتی ہے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سی شرعی تکالیف میں مشقت ہے۔ لیکن وہ ایسی مشقت ہے

(۱) إعلام الموقعين عن رب العالمين (۲/ ۳)

جو قابل برداشت ہے اور جو جان لیوا نہیں ہے۔ ہاں اس سے زیادہ اہم مصلحت کی خاطر جان کی قربانی مطلوب ہے، مثلاً ملکوں، بندوں اور دین کی حفاظت وصیانت کے لیے جہاد کرنا۔ لیکن یہ تصور کہ یہ مشقت دائمی ہو یا یہ کہ کسی ایسے امر کی ادائیگی میں جان کی ہلاکت کا سبب بنے جو عبادات میں سے کسی عبادت کو مکمل کرنے والا ہو تو یہ ایسی چیز ہے جس کے لیے شرعی احکام جاری نہیں ہوئے ہیں۔ اسی بنا پر اگر مشقت اس حد کو پہنچ جائے جس کی طاقت نہ ہو تو معاملہ آسانی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اور وہ احکام جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ احکام کے استنباط کے سلسلے میں یہ مضبوط قاعدہ ہے وہ درج ذیل ہیں:

الف- جو شخص کھڑا ہونے سے عاجز ہو یا کسی جسمانی بیماری کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں سخت مشقت میں پڑ جائے۔ یا کپڑے نہ ہوں جن سے وہ اپنے جسم کے قابل ستر حصے کو چھپا سکے تو وہ بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھے گا یا وہ اپنے سر سے اشارہ کرے گا یا اپنی دونوں آنکھوں کی پلکوں کو حرکت دے گا۔ (۱)

ب- جو شخص مسافر ہو وہ چار رکعات والی نمازوں میں قصر کرے گا اور ظہر وعصر کے درمیان اور مغرب وعشاء کے درمیان جمع کرے گا۔ اس حدیث کی بنا پر جسے مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ جب سفر پر ہوتے مغرب اور عشاء کے درمیان جمع کرتے۔ (۲)

ج- جس شخص کو سردی یا بارش کا خوف ہو وہ اپنے گھر میں نماز پڑھے گا، اس لیے کہ بخاری نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک سردی اور ہوا والی رات میں اذان دی گئی، پھر مؤذن نے کہا: خبردار! تم لوگ گھروں میں نماز پڑھو، اور انہوں نے فرمایا کہ جب ٹھنڈک اور بارش والی رات ہوتی تو رسول اللہ ﷺ مؤذن کو حکم دیتے کہ وہ یہ اعلان کرے

(۱) فتح الباری لابن حجر (۲/ ۶۸۳)
(۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب جواز الجمع بین الصلاۃ فی السفر

خبردار تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھو،[1] اور حضرت ابن عباسؓ کا معمول یہ تھا کہ جب بارش تیز ہوتی تو وہ مؤذن کو حکم دیتے کہ وہ یہ اعلان کرے: تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور جب بعض لوگوں نے ان پر نکیر کی تو انہوں نے فرمایا: یہ کام انہوں نے کیا ہے جو مجھ سے بہتر ہیں (یعنی رسول اللہ ﷺ نے) اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا اور فرمایا: میں نے اسے ناپسند کیا کہ تمہیں حرج میں ڈالوں اور تم مٹی اور کیچڑ میں چلو۔

د- وہ مریض جس کے شفایاب ہونے کی امید نہ ہو اور اپاہج، بوڑھے سے تمام روزے ساقط ہو جاتے ہیں اور ان پر فدیہ واجب ہوتا ہے۔ اور مسلمان پر سفر اور مرض کی مشقت یا عورت کے لیے دودھ پلانے اور حمل کی مشقت کو اور روزے کی مشقت کو جمع نہیں کیا جاتا۔ اور روزہ (علی الفور واجب نہ ہوکر) تاخیر کے ساتھ واجب رہتا ہے اور پورے سال کے مہینوں تک اس کا وقت پھیل جاتا ہے۔ لہٰذا جس عورت کو حمل یا رضاعت سے (رمضان میں) سخت مشقت لاحق ہو اور وہ ولادت یا رضاعت کے بعد روزہ رکھ سکتی ہو تو اس کے لیے استطاعت کے وقت سے لے کر اگلے رمضان تک روزہ کا وقت وسیع ہو جاتا ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جو بطور حصر کے نہیں ہیں، تو جب چار رکعات والی نماز کی سفر میں قصر ہو سکتی ہے۔ اور نماز کا ایک اہم رکن قیام ہے، لیکن جو قیام پر قادر نہ ہو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور جماعت اور جمعہ کی نماز اسلام کے اہم شعائر میں سے ہے اور اس کے ترک پر وعید تمام مسلمانوں کے نزدیک کھلی ہوئی ہے اس کے باوجود محض اس عذر کی وجہ سے لوگ اس کی وجہ سے مجبوراً کیچڑ میں واقع ہوں گے، شریعت کی طرف سے جمعہ اور جماعت کی ترک کی رخصت مل جاتی ہے تو کیا (جان کی حفاظت کی خاطر) رمی جمار کے وقت میں بدرجہ اولیٰ توسیع نہیں ہو سکتی؟

پھر وقت پر نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں قرآن وحدیث میں نص وارد ہے اس کے باوجود

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب الرخصة

محض سفر کی وجہ سے وقت میں وسعت ہوجاتی ہے اور ظہر کا وقت عصر تک پھیل جاتا ہے اور مسافر جس طرح چاہے جمع تقدیم یا جمع تاخیر کرسکتا ہے اور مغرب کا وقت مغرب سے لے کر عشاء کے آخر تک ممتد ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا روزہ کے وقت میں وسعت ہوجاتی ہے اور اس مرض یا سفر کی وجہ سے جس میں مشقت ہو یا حمل اور رضاعت کے عذر کی وجہ سے عورت کے لیے روزہ کے وقت میں توسیع ہوجاتا ہے اور شروع شوال سے لے کر شعبان کے اخیر تک روزہ رکھنے کی گنجائش نکل آتی ہے۔ حالانکہ یہاں پر موت صرف نادر حالات ہی میں واقع ہوتی ہے۔ لیکن جب رمی جمار میں بعض مسلمانوں کا قتل ہونا یقینی ہوگیا ہو جسے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو کیا یہ رمی کے وقت میں توسیع کا سبب نہیں ہوسکتا؟

اگر کچھ حضرات یہ استدلال کریں کہ ان رخصتوں کی صراحت تو قرآن وحدیث میں موجود ہے تو میں کہوں گا کہ حج میں کمزور عورتوں، بچوں، چرواہوں اور پانی پلانے والوں کے لیے رمی کے وقت میں توسع زیادہ واضح طریقے پر موجود ہے۔ اور انشاء اللہ میں اس مسئلے سے خصوصی دلائل کے ساتھ بحث کروں گا۔

چوتھی دلیل: دلیل عقلی:

زمان ومکان کے حدود کے ساتھ اگر ہم حجاج کرام کی کثرت اور بھیڑ کا حساب کرنا چاہیں تو یقینی طور پر ہمیں اس کا احساس ہوگا کہ رمی جمار کے وقت میں توسیع ضروری ہے۔ اس لیے کہ عقلی طور پر یہ محال ہے کہ حجاج کی اتنی بڑی تعداد کی رمی اس تنگ وقت میں انجام پاسکے۔

اور یہاں تک کہ کثافت اور کثرت کا حساب ممکن ہوتا کہ ہم جانیں کہ ہر منٹ میں کتنے افراد کی رمی ممکن ہے۔ میں اس کے لیے ریاضی اور قطعی حساب کے طریقے کی پیروی کروں گا تاکہ واضح طور پر ہم اس استحالہ کو محسوس کرسکیں پھر میں وسیع وقت (یعنی ۲۴ رگھنٹے) پر کثافت کے حساب کے ساتھ شرعی بدل پیش کروں گا۔ ذیل میں حساب کے طور پر اس کی وضاحت ہے:

پہلی حالت: زوال کے بعد سے غروب تک رمی (وقت اور جگہ دونوں تنگ ہے)

۱- حجاج کی تعداد عام طور پر بیس لاکھ ہوتی ہے۔ بعض سالوں میں یہ تعداد بڑھ جاتی ہے اور کبھی گھٹ جاتی ہے۔

۲- رمی کرنے کی جگہوں کی تعداد دو ہے۔ ایک پل کے اوپر اور دوسرے اس کے نیچے۔

۳- وقت مباح زوال سے غروب تک چھ گھنٹے ہیں = ۳۶۰ منٹ

۴- تمام جمرات کے لیے چلنے اور رمی کرنے کے لحاظ سے لازم وقت = ۱۵ منٹ ہے، لہٰذا اگر ہم فرض کریں کہ ہر ایک جمرہ کے پاس پورے چھ گھنٹے میں حجاج کی کثافت کیا ہوگی تو کثافت کا حساب درج ذیل ہوگا:

= حجاج کی تعداد × ہر حاجی کے لیے تینوں جمرات کی رمی کے واسطے جتنے منٹ لازم ہیں

ان کی تعداد دئے گئے منٹوں کی تعداد × دی گئی جگہوں کی تعداد

= ۰۰۰،۰۰۰،۲×۱۵ = ۰۰۰،۱۴۱ر تقریباً ہر منٹ میں (وقت کشادہ ہے اور جگہ تنگ ہے) دوسری حالت: رمی ۲۴ر گھنٹے

= ۰۰۰،۰۰۰،۲ × ۱۵ = ۲۰۰،۷ر تقریباً ہر منٹ میں

۲۴ گھنٹے ×۶۰×۲

تیسری حالت: رمی ۲۴ر گھنٹے (وقت کشادہ ہے اور پانچ منزل تنگ جگہ کشادہ ہے)

= ۰۰۰،۰۰۰،۲×۱۵ = ۸۰۰،۲ر تقریباً ہر منٹ میں

۵×=۲۰۴۰

حساب سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ کسی بھی گزرنے والے عرف میں چالیس ہزار سے زیادہ حجاج کی رمی دو منزل میں ہر منٹ میں محال ہے۔ ورنہ تو یہ متوقع ہے کہ کچھ لوگوں کی موت واقع ہو یا وہ سخت مرض میں مبتلا ہو جائیں، لیکن دوسری حالت بہت بہتر ہے، اس لیے کہ یہ

ممکن ہے کہ دو منزل ہر منٹ میں سات ہزار سے زیادہ حجاج کو اٹھا سکے۔ لیکن اگر جگہ کے لحاظ سے رمی کی توسیع پانچ منزل تک اور زمانہ کے لحاظ سے چوبیس گھنٹے تک ہو جائے تو پھر معاملہ آسان ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس صورت میں تقریباً تین ہزار افراد ہر منٹ میں رمی کر سکیں گے۔ اور اگر مسلمان ہوں تو ضروری ہے کہ ہم مشاعر کی سرزمین اس طرح تیار کریں کہ کم از کم ایک کروڑ افراد حج کر سکیں۔ اور جتنے لوگوں پر حج فرض ہے ان کے لحاظ سے یہ تعداد کم ہے۔ تا کہ امت کے تمام قادر افراد حج کر سکیں۔

اگر ہم فرض کر لیں کہ امت کے دو تہائی افراد حج پر قادر نہیں ہیں تو ایک تہائی افراد کی تعداد بھی چالیس کروڑ افراد سے زیادہ ہے۔ پس اگر ہم اس تعداد کو بلوغ کی عمر پر تقسیم کر دیں اور وہ ہر مسلمان کے لیے تقریباً پچاس سال ہے تو وہ تعداد جس کا پہلی مرتبہ حج کرنا ضروری ہوگا وہ یہ ہوگی ۴۰۰،۰۰۰،۰۰۰ = ۸۰۰۰،۰۰۰ ر پہلی مرتبہ۔

۵۰ ر سال

اسی لاکھ حاجی اور بیس لاکھ مکرر (یعنی دوبارہ حج کرنے والے) اور یہ اس تقدیر پر ہے کہ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ امت کے دو تہائی افراد مالی سبب سے یا صحت کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے حج کی استطاعت نہیں رکھتے۔

مطلب دوم: رمی جمار کے وقت کی توسیع کے وجوب پر خصوصی دلائل:

خصوصی دلائل سے مراد وہ دلائل ہیں جو حج کے احکام سے براہ راست مربوط ہیں۔ یہ دلائل بہت ہیں، جن میں سے اہم درج ذیل ہیں:

اولاً: میں نے جو رمی جمار کے وقت کو تین قسموں یعنی وقت افضل، وقت اداء اور وقت قضاء میں تقسیم کیا ہے تو اس کی بنیاد براہ راست نص پر ہے، پس وقت افضل وہ ہے جس میں نبی ﷺ

نے اپنے عام صحابہ کے ساتھ رمی کی ہے اور وقت اداء کو اس بات پر محمول کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے کمزور، عورتوں اور بچوں کو بھیڑ کے اندیشہ سے افضل وقت کے علاوہ میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں اس کی صراحت آتی ہے جسے بخاری و مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ: نبی ﷺ نے ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس کی اجازت دی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل (رات ہی میں) مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہو جائیں۔ اس صورت میں یہ وہ علت ہے جس پر حکم کا مدار ہے، لہٰذا اگر بھیڑ اس حد کو پہنچ جائے کہ خود جوانوں کو اس کی قدرت نہ ہو (جیسا کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے) اور بھیڑ کی وجہ سے جان کی ہلاکت یقینی ہو (اور یہ چیز واقعی صورت حال کی بنا پر بداہتاً معلوم ہو گئی) تو فجر سے قبل حضرت سودہؓ، حضرت اسماءؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو (جو ہماری فقہی تاریخ میں نبی ﷺ کی سنت کے فروع کو مضبوطی سے پکڑنے اور قوت کے ساتھ ان کی پیروی کرنے میں مشہور ہیں) اور اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کو فجر سے قبل رمی کی اجازت مل گئی، اسی طرح حضرت عباسؓ اور چرواہوں کو اجازت ملی، اس سے براہ راست یہ معلوم ہو رہا ہے کہ منیٰ کے تمام ایام میں رمی کا اعتبار ہے اور اس میں نہ کوئی حرج ہے نہ دم نہ فدیہ، بشرطے کہ وہاں کوئی ایسا سبب ہو جو اس سبب کے مشابہ ہو جس کی بنا پر نبی ﷺ نے حضرت عباس کو پانی پلانے کی اجازت دی اور چرواہوں کو اونٹ چرانے کی اجازت دی۔

ثانیاً: رمی جمار کے سلسلے میں خاص طور پر حدیث وارد ہے اور ہم نے کسی دوسرے شعار میں نہیں پایا کہ نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہو کہ ہم میں سے بعض بعض کو قتل کرے یا ہم میں سے بعض بعض کو اذیت پہنچائے جیسا کہ امام احمدؒ کی حدیث میں وارد ہے کہ نبی ﷺ کسی کو مارے یا دھکا دئے بغیر یا ہٹو بچو کئے بغیر رمی فرماتے تھے جیسا کہ دارمی، امام احمدؒ نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے لہٰذا اس حدیث کو اس فہم تک محدود رکھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ اس خطرہ کی بنا پر

تھا کہ لوگوں میں سے بعض بعض کو کنکر مارے یا لوگ بڑی کنکریوں کا استعمال کریں، بلکہ ان احادیث میں بھیڑ واضح شکل میں مقید تھی۔ لہٰذا جب اس زمانے میں حاجیوں کی تعداد بڑھ گئی، یہاں تک کہ کم از کم بیس لاکھ تک پہنچ گئی اور نبی ﷺ کے زمانہ میں عام طور پر حجاج کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہیں ہوئی۔ لہٰذا اگر فقہی قاعدہ: إذا ضاق الأمر اتسع (جب معاملہ میں تنگی پیدا ہوتی ہے تو اس میں وسعت پیدا ہو جایا کرتی ہے) کے پیش نظر اس معاملہ میں وسعت پیدا کر دی جائے تو اس میں نبی ﷺ کے حکم کی پیروی ہی ہوگی۔

ثالثاً: کیا یہ ممکن ہے کہ نبی ﷺ اونٹ کے چرواہوں کو تو اپنے اونٹوں کی حفاظت کی خاطر تو رات میں رمی کرنے کی اجازت دیں اور مسلمانوں کی حفاظت کی خاطر جن میں کمزور لوگ، بچے اور عورتیں ہوں انہیں رات میں اور فجر سے لے کر دوسرے دن کے فجر تک رمی کرنے کی اجازت نہ دیں۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں: چرواہوں کے علاوہ عذر والے لوگ مثلاً بیمار اور ایسا شخص جس کے پاس مال ہو اور اسے اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو ان سب کا حکم چرواہوں کی طرح ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے دوسروں کی تنبیہ کی خاطر ان لوگوں کو رخصت دی ہے، لہٰذا علت کے پائے جانے کی وجہ سے انہیں ان اعذار والوں کے ساتھ لاحق کرنا ضروری ہے۔ (۱) اور ابن القیم نے بھی زاد المعاد میں اسی کے مثل فرمایا ہے۔ (۲) اور شیخ ساعاتی کی رائے یہ ہے کہ یہ جمود کی بات ہے کہ رخصت کو چرواہوں اور پانی پلانے والوں تک محدود رکھا جائے نہیں بلکہ یہ حکم دوسروں تک متعدی ہوگا۔ (۳)

رابعاً: بہر حال جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت آدھی رات سے لے کر اگلے دن کی فجر تک مقرر کیا

---

(۱) المغنی مع الشرح الکبیر لابن قدامۃ (۳/۴۸)
(۲) زاد المعاد لابن القیم (۲/۲۹۰)
(۳) الفتح الربانی (۱۲/۲۲۳)

جاناتواس سلسلے میں میری دلیل حسب ذیل ہے:

۱- وہ جو صحیح ترین حدیث میں حضرت اسماءؓ کے بارے میں وارد ہے کہ انہوں نے انتظار کیا یہاں تک کہ چاند غائب ہوگیا، تو یہ قطعی طریقے پر فجر سے قبل واقع ہوگا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عیدالاضحیٰ کی رات میں نصف شب کے بعد رمی کرنے کا امکان ہے۔ اس کا حساب روزانہ کی گھڑی گھنٹے سے نہیں کیا جائے گا کہ بارہ بجے کے بعد نیا دن شروع ہوجاتا ہے۔ بلکہ مغرب کے وقت کے داخل ہونے اور فجر یا طلوع آفتاب کے وقت کے داخل ہونے کے درمیان حساب کیا جائے گا اور اسے دو پر تقسیم کیا جائے گا تاکہ مکمل طور پر نصف کا حساب ہوسکے۔

اس حدیث سے امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی نصف شب سے جائز ہے ،[۱] اور ابن المنذر نے فرمایا کہ جو شخص فجر سے قبل رمی کرے تو اس پر اعادہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ کسی نے یہ کہا ہو کہ یہ رمی کافی نہیں ہے۔ اور نووی نے فرمایا: کمزوروں میں سے جو حضرات فجر سے قبل نصف شب کے بعد رمی کریں تو یہ جائز ہے اور اس پر کوئی دم نہیں ہے (یہ ہمارا مذہب ہے) امام مالک اور امام احمد اسی کے قائل ہیں۔[۲]

۲- اور جہاں تک رمی کے وقت کے اگلے دن تک ممتد ہونے کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں میرے شواہد درج ذیل ہیں:

الف- اس شخص کا مغرب تک وقوف عرفہ چھوٹ جائے اسے نبی ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے کہ عیدالاضحیٰ کے فجر تک وقوف کرلے اور اس سلسلے میں ترمذی، احمد، نسائی اور ابوداؤد نے عبدالرحمٰن بن یعمر سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج عرفہ ہے، جو شخص جمع بین الصلاتین کی رات میں فجر کی نماز سے قبل عرفہ پہنچ جائے تو اس کا حج مکمل ہوگیا۔[۳] اس پر یہ

(۱) فتح الباری (۵۲۹/۳)

(۲) المجموع (۱۵۱/۸)

(۳) سنن ابن ماجہ نمبر (۳۰۰۶)، ترمذی نمبر (۸۱۴) اور (۲۹۰۱)، نسائی، نمبر (۲۹۶۶)، سنن ابی داؤد کتاب المناسک، نمبر (۱۶۶۴)

قیاس جاری ہوگا کہ نویں ذی الحجہ کی عبادت اگلے دن کے فجر تک ممتد ہوگئی، لہٰذا یہ صحیح ہوگا کہ حجاج کرام تمام جمرات کی رمی اگلے دن کے فجر تک کریں۔

ب- دوسرا شاہد: جس وقت ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کیا کہ شام ہوجانے کے بعد میں نے رمی کی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ ممکن نہیں ہے کہ شام زوال سے لے کر صرف مغرب تک ہو بلکہ وہ رات تک ممتد ہوگی، اس لیے کہ شام میں رات داخل ہے۔

ج- وہ جسے احناف نے ذکر کیا ہے کہ چوتھے دن کا فجر اس شخص کی رمی کا وقت ہے جو زوال سے قبل جلدی سے منیٰ سے کوچ کرنا چاہے۔ سرخسی فرماتے ہیں کہ: سب سے آخری دن کا اعتبار سب سے پہلے دن سے کیا گیا ہے[1] اور میرا سوال یہ ہے کہ پھر درمیان میں رمی ممنوع کیوں ہوگی۔ پس جبکہ جمرۂ عقبہ کی رمی عیدالاضحیٰ کے دن کے فجر سے جائز ہے اور آخری دن میں تمام جمرات کی رمی فجر کے بعد جائز ہے تو پھر بیچ کے باقی دو دنوں میں تنگی کیوں؟

۳- سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز نے یہ فتوی دیا ہے کہ مسلمان اگر زوال سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی کے لیے کوشش کرے، پھر اگر زوال سے قبل نہ کرسکے تو زوال کے بعد کرے اور اگر معاملہ اس پر تنگ ہوجائے اور آفتاب غروب ہوجائے اور رمی نہ کرسکے تو صحیح قول کے مطابق غروب کے بعد سے رات کے آخر تک اس کے لیے رمی کافی ہوجائے گی۔[2]

۴- اگر یہ رمی جمرۂ عقبہ میں صحیح ہے تو بقیہ جمرات میں (دوسرے تیسرے دن) جس میں زیادہ وقت اور زیادہ کوشش درکار رہے بدرجہ اولی صحیح ہوگی اور جب نبی ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے تو ہر صاحب حاجت وضرورت کے لیے رات کا رمی کا وقت ہونا صحیح ہے، اور یہاں جان کو ہلاکت، شدید مشقت اور سخت توہین سے بچانے سے بڑھ

(۱) المبسوط للسرخسی (۴/۶۹)، حاشیہ ردالمحتار (۲/۵۲۱)
(۲) فتاویٰ الحج ص: (۳۳)

کر کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔

خامساً: جبکہ عبادات میں سخت حالات ہوں مثلا سفر اور بارش تو شریعت اور ادائیگی کے وقت میں توسیع پیدا کر دیتی ہے تو حج کے بعض احکام وہ ہیں جو براہ راست اس کی طرف مشیر ہیں:

۱- حج کے مناسک چند دنوں تک محدود نہیں ہیں کہ تمام لوگوں کو تنگی اور سخت بھیڑ پر مجبور کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الحج أشهر معلومات** (البقرة: ١٩٧) (حج کے متعین مہینے ہیں) اور وہ شروع شوال سے لے کر ذی الحجہ کے آخری دن تک ہے، اس میں وقوف عرفہ، رمی جمار، ذبح اور حلق (سر منڈانے) کا استثناء ہے کہ ان کا ایام تشریق میں ہونا ضروری ہے۔

اس بنا پر جو شخص حج تمتع کرے تو ممکن ہے کہ وہ شوال کی پہلی تاریخ سے حج شروع کرے اور اگر ہم اس بھیڑ کو دیکھیں جو طواف کے وقت یا سفر کے وقت ہوتی ہے تو ہمیں اس حقیقت کا ادراک ہوگا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے بعض مناسک حج کو ابتدائے شوال سے شروع کرنے کی اجازت دی ہے۔

۲- حج کے جتنے ارکان ہیں ان سب کے وقت میں وسعت ہے، مثلا:

الف- نیت اور احرام شوال کی پہلی تاریخ سے وقوف عرفہ کے آخری وقت تک جو عید الاضحیٰ کے دن کے فجر کے قبل تک ہے صحیح ہے۔

ب- طواف زیارت کا وقت بعض فقہاء کے نزدیک عید الاضحیٰ کی صبح سے لے کر ذی الحجہ کے اخیر تک اور دوسرے فقہاء کے نزدیک اخیر عمر تک ممتد ہے۔

ج- وقوف عرفہ کا وقت بعض فقہاء کے نزدیک یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کے فجر سے شروع ہوتا ہے اور جمہور کے نزدیک زوال سے شروع ہوتا ہے اور سب کے نزدیک عید الاضحیٰ کے دن فجر تک ختم ہوتا ہے، اسی طرح حج کے واجبات اور مستحبات۔

د- طواف قدوم میں یہ ہے کہ جوشخص تھکے ہوئے اور پریشانی کی حالت میں مکہ پہنچا تو اس کے لیے اس کی گنجائش ہے کہ سو جائے اور آرام کر لے پھر طواف کرے۔

ہ- حاجی اگر طواف میں سخت بھیڑ پائے تو اسے مؤخر کر دے یہاں تک کہ اسے استطاعت ہو جائے۔

و- یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ پوری سعی مسلسل ہو (اس لیے کہ اس میں کوشش صرف ہوتی ہے) لہٰذا اس کے لیے اس کی گنجائش ہے کہ وہ آج طواف کرے اور کل سعی کرے اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ خود سعی کے درمیان کافی وقت کے ساتھ فصل کرے۔

ز- حاجی کے لیے سر منڈانے یا قربانی کرنے میں اس کی گنجائش ہے کہ وہ ایام تشریق کے اندر کسی وقت بھی اسے انجام دے۔

سادساً: جوشخص جمرۂ عقبہ کی رمی یا تمام جمرات کی رمی اس کے اول وقت میں چھوڑ دے یا ان کے دنوں میں چھوڑ دے تو ہمارے فقہاء اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ وہ ایام تشریق میں کسی دن رمی کر لے۔ سرخسی لکھتے ہیں: جوشخص تمام ایام کی رمی چھوڑ دے تو وہ رمی کے آخری دن تک رمی کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ رمی کا وقت باقی ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ چھوٹی موٹی رمی کی تلافی کر لے اور اس کو انہوں نے قربانی کے ذبح کرنے پر قیاس کیا ہے اور اس اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے جو امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان وجوب دم کے سلسلے میں ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ اس پر دم ہے اور صاحبین کی رائے ہے کہ اس پر کوئی دم نہیں ہے۔ (۱)

ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: چوتھے دن (۱۳ ذی الحجہ کو) فجر کے بعد چوتھے دن کی رمی کی اداء کا وقت ہے اور اس کے علاوہ تینوں دنوں کی رمی کی قضاء کا وقت ہے۔ (۲)

(۱) المبسوط للسرخسی (۴/۶۵)

(۲) حاشیہ رد المحتار (۲/۵۲۲)

اور امام مالک سے روایت ہے، یحییٰ فرماتے ہیں: امام مالک سے ایسے آدمی کے بارے میں دریافت کیا گیا جو منیٰ کے ایام میں سے کسی دن کسی جمرے کی رمی کرنا شام تک بھول گیا وہ کیا کرے تو انہوں نے فرمایا کہ رات یا دن میں جس وقت بھی اسے یاد آئے رمی کر لے۔ امام مالک نے اسے نماز پر قیاس کیا کہ اگر کوئی شخص بھول سے نماز چھوڑ دے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ رات یا دن میں جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔ (۱)

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مزدلفہ میں اپنی ایک بھتیجی کے ساتھ جنہیں نفاس آ گیا تھا ٹھہری رہیں اور وہ دونوں دسویں ذی الحجہ کو آفتاب غروب ہونے کے بعد منیٰ آئیں تو حضرت ابن عمرؓ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ وہ جس وقت آئیں جمرہ کی رمی کر لیں اور ان کی رائے کے مطابق (تاخیر کی وجہ سے) ان پر کچھ واجب نہیں ہوا (۲) اور المجموع میں آیا ہے کہ جس شخص کی بعض ایام کی رمی چھوٹ گئی وہ اس کی تلافی کر لے گا اور مذہب شافعی کی رو سے اس پر کوئی دم نہیں ہے، اور فرمایا: جمہور کا قول قطعی طریقے پر یہی ہے اور انہوں نے ایک ضعیف رائے یہ ذکر کی ہے کہ اس صورت میں دم واجب ہوگا، اور یہ اس شخص پر قیاس کرتے ہوئے جو رمضان کے قضاء روزوں کو یہاں تک مؤخر کرے کہ دوسرا رمضان داخل ہو جائے تو وہ اس کی قضاء کرے گا اور فدیہ دے گا۔ (۳)

اور یہ رائے جیسا کہ مجھے سمجھ میں آ رہا ہے قابل قبول نہیں، اس لیے کہ نص وارد ہے کہ چرواہوں کے لیے دوسرے دنوں میں رمی کرنا جائز ہے اور ان پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔ اور المغنی میں آیا ہے (۴) کہ ''جو شخص ایک دن کی رمی کو اس کے بعد والے دن تک یا تمام دنوں کی رمی کو ایام

---

(۱) الموطا للامام مالک (۱/ ۴۱۳)

(۲) حوالہ سابق (۱/ ۴۰۹)

(۳) المجموع (۸/ ۲۴۱)

(۴) المغنی (۳/ ۴۷۹)

تشریق کے آخر تک مؤخر کر دے تو وہ سنت کا تارک ہوگا اور اس پر کچھ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ پہلے دن کی رمی کو نیت کے ذریعہ مقدم کرے گا، پھر دوسرے دن کی رمی کو، پھر تیسرے دن کی رمی کو۔ اور اس کی علت انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ تمام ایام تشریق رمی کے اوقات ہیں۔ تاخیر میں حرج نہ ہونے کو انہوں نے اس شخص پر قیاس کیا ہے جو آخر وقت میں وقوف عرفہ کرے (۱) اور شیعہ امامیہ اور زیدیہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ جو شخص ایک دن کی رمی کو بھول جائے تو وہ اگلے دن اس کی قضاء کرے گا اور غائب سے شروع کرے گا۔ (۲)

اور اباضیہ کے نزدیک: ربیع نے کہا کہ جو شخص پہلے دن یا دوسرے دن رمی نہ کر سکے تو وہ تیسرے دن رمی کرے گا اور انہوں نے فرمایا: جو رمی ایام تشریق میں ہو وہ فوت نہیں ہوئی۔ (۳)

سابعاً: یہاں پر کچھ ایسی سنتیں بھی ہیں جو نبی ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہیں، لیکن تمام حجاج سے ان پر عمل کرانا ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی ﷺ سوار ہو کر رمی فرماتے تھے اور دائیں جانب سے، اور پہلے دونوں جمروں کے پاس دعاء کے لیے ٹھہرتے تھے۔ اور اب بھیڑ کی وجہ سے اکثر حاجیوں کو اس کا موقع نہیں ملتا کہ وہ ان سنتوں کی پیروی کر سکیں۔ لہٰذا اسی علت کی بنا پر اس میں کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ رمی کے وقت میں توسیع ہو۔

ثامناً: (رمی کی طرح) منیٰ میں رات گذارنا واجب ہے اور شیخ ابن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اس صورت میں منیٰ سے باہر رات گذارنا جائز ہے جب منیٰ میں جگہ تلاش کرنے کی کوشش کرے اور کوئی جگہ نہ پائے اور یہ فتویٰ عربی جریدہ ''الخلیج'' شمارہ نمبر (۶۵۳۸) میں مؤرخہ ۶/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ کو شائع ہو چکا ہے (صفحہ: ۲۰)

---

(۱) نیل الاوطار للشوکانی (۵/۸۰)۔

(۲) ایضاح الفوائد (۱/۳۱۷)۔

(۳) کتاب شرح النیل (۴/۲۳۰)۔

فصل پنجم

چند شبہات اور ان کے جوابات

شاید کہ ہماری اسلامی فقہ کی ایک اہم خصوصیت لچک، نرمی اور توسیع ہے اور اولاً اس کا مطلب یہ ہے کہ فقہی حکم کو ہر زمانے اور ہر جگہ کے حالات کے ساتھ شرعی اصول وضوابط سے تجاوز کئے بغیر متحرک رکھا جائے۔ اور دوسرے پہلو سے اس کا مطلب یہ ہے کہ جن مسائل میں نص نہ ہو، اسی طرح جن مسائل میں متعدد نصوص ہوں جن کے درمیان تطبیق دینے کے لیے دقیق فقہ کی ضرورت ہو، یا اسی طرح وہ مسائل جن کا ثبوت ظنی دلیل سے ہو یا جن کی دلالت قطعی نہ ہو، ظنی ہو، ایسے تمام مسائل میں رائے میں توسع اختیار کیا جائے۔

رمی کے وقت کے اندر توسع اختیار کرنے کے سلسلے میں میں نے جو موقف اختیار کیا ہے اس سے متعلق میں ابھی بعض شبہات کا ذکر کروں گا۔ لیکن اس سے میرا مقصد دوسروں کی تنقیص نہیں ہے، اسلئے کہ وہ علماء اور معزز ومحترم شخصیتیں ہیں اور ہمارے دل میں ان کے لیے عقیدت ومحبت کے جذبات ہیں۔ بلکہ ہم تو ان کے علم وفضل کے سامنے اپنے آپ کو ان کا شاگرد تصور کرتے ہیں۔

اسی بنا پر امت کے خون، اس کی جان اور جسم کو ہلاکت یا شدید کلفت ومشقت سے بچانے کے سچے جذبہ سے ہم اس علمی مناقشہ کا آغاز کر رہے ہیں۔

پہلا شبہ: طلوع آفتاب سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی کے سلسلہ میں حدیث میں ممانعت کا وجود:

ڈاکٹر شرف بن علی شریف نے اپنی اہم کتاب میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی صرف کمزور عورتوں اور بچوں کے لیے جائز ہے۔ دوسروں کے لیے نہیں۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے نبی ﷺ نے فرمایا: **لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس**

(جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے جمرۂ (عقبہ) کی رمی نہ کرو) ڈاکٹر شریف فرماتے ہیں: اس حدیث کی بنیاد پر تندرست مردوں کی طرف سے طلوع آفتاب سے قبل رمی جمار صحیح نہیں ہے۔ (۱)

مناقشہ اور ترجیح:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اس کی سند میں حسن عرنی ہیں اور وہ کوفی اور ثقہ ہیں، مسلم نے ان سے استدلال کیا ہے اور بخاری نے ان سے استشہاد پیش کیا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ سے ان کی حدیث منقطع ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: حسن عرنی کا سماع حضرت ابن عباس سے ثابت نہیں ہے۔ (۲)

چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے اس سے استدلال کرنا مناسب نہیں ہے، جبکہ اس کے مقابلہ میں صحیح احادیث موجود ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ، حضرت سودہؓ اور خود حضرت ابن عباس کو اس کی اجازت دی ہے جنہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں مزدلفہ سے اپنے کمزور گھر والوں کے ساتھ پہلے بھیجا اور بخاری و مسلم میں حضرت اسماءؓ کی حدیث موجود ہے کہ انہوں نے فجر سے قبل رمی کی۔

یہ سب احادیث مذکورہ بالا روایت کے معارض ہیں اور ترجیح کے وقت ہم اس روایت کو اختیار کریں گے جو ثبوت کے لحاظ سے زیادہ قوی ہو۔

ثانیاً: اگر یہ سب لڑکے کمزور تھے تو اصح احادیث اس کے معارض ہیں کہ نبی ﷺ نے تمام ضعیف لوگوں کو اس کی اجازت دی کہ وہ فجر سے قبل رمی کریں اگر وہ لوگ طاقتور تھے تو یہ انہیں افضل پر عمل کرنے پر آمادہ کرنا ہے اور صحیح سے مراد وہ نہیں ہے جو باطل کے مقابلے میں ہو۔

ثالثاً: اگر ان کے لیے نبی ﷺ کا حکم صحیح ہو تو اسے استحباب پر محمول کیا جائے گا اور ہم بھی

---

(۱) رمی الجمرات وما یتعلق بہ من أحکام (۸۰)

(۲) اس حدیث کی تخریج صفحہ (۳۶) پر بحث (۳) کے ذیل میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اسے دیکھا جائے۔

یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے اندر بھیڑ کا مقابلہ کرنے کی طاقت ہو (بغیر اس کے کہ وہ اپنے آپ کو یا دوسرے کو کوئی ضرر پہنچائے) تو اس کے لیے افضل وقت طلوع آفتاب کے بعد کا ہے۔

رابعاً: مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس وقت جو بھیڑ پائی جاتی ہے اسے طاقتور لوگ بھی برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ لہٰذا سخت بھیڑ کی بنا پر تندرست لوگ بھی عذر والے لوگوں کے زمرے میں داخل ہو جائیں گے (اس میں کچھ ہی لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے)

دوسرا شبہ: نبی ﷺ کے عمل کی وجہ سے اخیر کے تین دنوں میں زوال سے قبل رمی جائز نہیں:

ڈاکٹر شریف فرماتے ہیں: جس شخص کی رمی عید الاضحیٰ کے روز دن میں فوت ہو جائے تو اس کے لیے اگلے دن یعنی گیارہ ذی الحجہ کو زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں (ہاں زوال کے بعد رمی کر سکتا ہے) اور اب ترتیب کے ساتھ رمی ہوگی، زوال آفتاب کے بعد پہلے گذشتہ دن کی رمی کی قضاء کرے گا پھر اس دن کی رمی کرے گا، اس لیے کہ ایام تشریق میں زوال سے قبل رمی کا وقت نہیں ہے اور کوئی ایسی دلیل ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت میں رمی کی ہو یا کسی کو اس کی اجازت دی ہو، بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے: تین دنوں میں زوال آفتاب سے قبل رمی جمار نہیں کی جائے گی۔ نیز انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کی درج ذیل روایت سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جس شخص کی رمی فوت ہو جائے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے تو وہ اگلے دن زوال آفتاب سے قبل رمی نہیں کر سکتا۔ (۱)

اور انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں، جو شخص ایسا کرے اس کی رمی باطل ہے اور انہوں نے اس سلسلے میں حضرت جابر، حضرت

(۱) رمی الجمارات / ۸۷۔

ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات نقل کی ہے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رمی زوال کے بعد ہے اور امام مسلم اور امام نسائی کی حدیث جو حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو'' اور اس حدیث سے کہ ''جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے'' اور یہ ان نصوص میں سے ہے جنہیں میں نے اس سے قبل ذکر کیا ہے۔

اور انہوں نے تاکید کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ جو حاجی بھی تینوں دنوں میں زوال سے قبل رمی کرے گا تو اس پر رمی کا لوٹانا واجب ہے، اس لیے کہ اس نے وقت کے داخل ہونے سے قبل رمی کی۔

ڈاکٹر شریف نے ایسے متعدد نصوص کا ذکر کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے تینوں جمرات کی رمی زوال کے بعد کی ہے، اس سے قبل نہیں، اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ نے کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں: تینوں دنوں میں رمی زوال کے بعد ہی صحیح ہے اور جو شخص اس کے خلاف کرے تو اس پر اس کا اعادہ واجب ہے، اس لیے کہ اس کی رمی باطل ہے، کیونکہ اس نے وقت کے داخل ہونے سے قبل رمی کی۔

اور اپنی رائے کی تائید میں انہوں نے درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔ (۱)

۱- احادیث اس بارے میں صحیح اور صریح ہیں کہ نبی ﷺ نے (زوال کے بعد رمی کی ہے، اس لیے اس سے قبل اس کا وقت نہیں ہے)۔

۲- نبی ﷺ کا عید الاضحیٰ کے دن صبح سویرے رمی کرنا اور دوسرے دنوں میں زوال کے بعد، اور آپ کا اس پر استمرار اور مداومت اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عید کے دن کے درمیان اور اس کے بعد کے ایام کے درمیان رمی کے وقت کی ابتداء مختلف ہے۔ اگر اس کے علاوہ

---

(۱) حوالہ سابق (۹۳-۹۴)۔

صحیح ہوتا تو آپ ﷺ کم از کم ایک مرتبہ اس پر عمل کرتے۔

۳- صحابہ کا عمل اور حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول کہ: ہم لوگ زوال آفتاب کا انتظار کرتے تھے پھر رمی کرتے تھے۔

۴- نص کے وارد ہونے کے بعد پھر اجتہاد کی گنجائش نہیں رہتی۔

۵- زوال کے ذریعہ رمی کی ابتداء کی تعیین وتحدید میں مسلمانوں کے لیے کوئی تنگی اور مشقت نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایسے ہی حکم کا مکلّف بنایا ہے جس کی ان میں طاقت ہو۔ پس اگر کوئی مسلمان کسی عذر کی وجہ سے رمی نہ کر سکے تو نائب بنانے یا فدیہ دینے کے ذریعہ اس کے لیے راستہ نکالا ہے، اور جس شخص کے اندر استطاعت ہے اسے بھیڑ سے کوئی خوف نہ ہوگا۔ اور یہ کون جانتا ہے کہ صبح کے وقت بھیڑ نہیں ہوگی، بلکہ اس میں اس کا احتمال ہے کہ اگر زوال سے قبل رمی جائز ہو تو فضاء کے ٹھنڈی ہونے کی وجہ سے صبح کے وقت بھیڑ بڑھ جائے اور رمی کے تمام ایام میں وقت میں وسعت ہے۔ لہٰذا جو شخص پہلے دن میں رمی نہ کر سکے وہ اس کے بعد والے دن میں رمی کرے گا۔

۶- (ایام تشریق کی رمی کو) عید کے دن کی رمی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ لوگ آفتاب طلوع ہونے کے بعد منیٰ سے چل کر مزدلفہ آتے ہیں اور منیٰ کا تحیہ اور سلام رمی ہے۔ اس لیے اگر رمی کو زوال تک مؤخر کیا جاتا تو تحیہ فوت ہو جاتا۔

۷- رسول اللہ ﷺ نے جب اس وقت میں رمی کی تو اس کے علاوہ دیگر اوقات میں ممانعت کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لیے کہ عبادات اگر قبل از وقت ادا کر دی جائیں تو ہم ان پر فساد کا حکم لگانے میں اس کی ممانعت کے صادر ہونے کے محتاج نہیں ہیں، بلکہ اس سلسلے میں شرعی تحدید اور شریعت کی جانب سے وقت متعین کرنے پر اکتفاء کیا جائے گا۔ اور اس میں کبھی تقدیم وتاخیر کے ذریعہ کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ اور اخیر میں انہوں نے یہ کہا کہ جمہور کی رائے

یہ ہے کہ ایام تشریق میں زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں۔ جو شخص ایسا کرے اس کی رمی باطل ہے اور اس پر رمی کا لوٹانا واجب ہے۔

مناقشہ اور ترجیح:

۱- ڈاکٹر شریف صاحب کی اس بات سے مجھے اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے ایام تشریق میں زوال سے قبل رمی نہیں کی ہے۔ اسی بنا پر میں نے یہ کہا ہے کہ جو لوگ قدرت رکھتے ہیں ان کے لیے یہ وقت افضل ہے۔ لیکن مجھے ان کی اس بات سے اتفاق نہیں ہے کہ اس کے علاوہ دیگر اوقات میں رمی جائز نہیں ہے اور یہ کہ اس سے پہلے کا وقت رمی کا وقت نہیں ہے۔ اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

۱- یہ وہ تنہا حج ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ اور آپ ﷺ ہمیں ہمیشہ افضل عمل کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ ان لوگوں کو جو اس کی قدرت رکھتے ہیں۔ اس لیے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ نبی ﷺ کسی محدود وقت میں کوئی عمل کرتے تھے تو یہ اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ خود یہ عمل دوسرے وقت میں جائز نہ ہو۔ مثلاً آپ ﷺ نے وقوف عرفہ ظہر سے لے کر غروب تک کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص غروب کے بعد وقوف عرفہ کرے تو کیا اس کا حج صحیح نہ ہوگا؟ اسی طرح آپ نے بیت اللہ کا طواف (طواف افاضہ) نماز عید کے بعد کیا ہے۔ اور اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص عید الاضحیٰ کے دن فجر کے بعد طواف افاضہ کرے تو اس کا طواف صحیح ہے۔ نووی فرماتے ہیں: طواف افاضہ کا وقت قربانی کے دن نصف شب سے داخل ہو جاتا ہے۔ (۱)

۲- جمرۂ عقبہ کی رمی کا صبح کے وقت میں ہونا اور تینوں جمرات کی رمی کا زوال کے بعد ہونا زوال سے قبل رمی کے جواز کی نفی نہیں کرتا۔ اس لیے کہ عید الاضحیٰ کی صبح کو رمی کرنے میں اس ضرورت کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ حلق کرنے یا بال تراشنے کے لیے، قربانی کے لیے اور طواف

---

(۱) رمی الجمارات / ۸۷۔

افاضہ کے واسطے کپڑا پہننے کے لیے کافی وقت چاہئے۔اور جہاں تک اس کے علاوہ باقی دنوں کی بات ہے تو ان میں رمی جمار اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا کوئی دوسرا عمل حج موجود نہیں ہے۔لہٰذا نبی ﷺ نے اس افضل وقت کو اختیار فرمایا جس کے بارے میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ تندرست وتوانا لوگ ضعیفوں کو اذیت پہنچائے بغیر اس میں آپ ﷺ کی اتباع کریں۔لیکن اگر یہ عمل اس سے زیادہ شدید ضرر کا باعث بن جائے تو ضروری ہے کہ ہم زیادہ وسیع وقت کو اختیار کریں۔

۳- حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت صحیح ہے کہ وہ حضرات زوال آفتاب کا انتظار کرتے پھر رمی کرتے تھے لیکن خود حضرت ابن عمرؓ سے جب اس روایت کے شروع میں ایک شخص کی طرف سے یہ سوال کیا گیا کہ میں کب رمی جمار کروں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب تمہارے امام کریں تو تم بھی رمی کرو۔ پھر جب اس شخص نے دوبارہ سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ہم لوگوں کا معمول یہ تھا کہ وقت کا انتظار کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے تھے۔ بخاری کی یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے شروع میں زوال کے بعد رمی کرنے کا جواب نہیں دیا ہے جیسا کہ اس وقت اکثر مفتیان کرام کی طرف سے یہ جواب جاری ہو رہا ہے، بلکہ انہوں نے اسے امام کی اتباع کرنے کی طرف رہنمائی کی۔جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر امام کسی شرعی ضرورت کی بنا پر کسی وقت رمی کرے تو تم بھی اس کے ساتھ رمی کرو۔لیکن جب اس شخص نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے اس کو وہ افضل طریقہ بتلایا جس پر وہ لوگ عمل کرتے تھے،اور اس سے یہ نہیں کہا کہ زوال کے بعد رمی کرو۔تا کہ اسے یہ موقع دیں کہ وہ اپنے امام کی اتباع کرے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مسئلہ حضرت ابن عمرؓ کے ذہن میں (جو تمام صحابہ سے زیادہ نبی ﷺ کی اتباع میں سخت تھے) اس طرح تھا کہ وہ رمی کے وقت میں اجتہاد کرنے کے سلسلے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

۴- زوال سے قبل رمی کرنے کے سلسلے میں اگر نہی وارد ہوتی تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ

ہوتی۔ اور یہاں تو یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے جب افضل پر عمل کیا اور بعض صحابہ نے عید الاضحیٰ کے دن رمی کو شام تک مؤخر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: **ارم ولا حرج** (رمی کرو کوئی حرج نہیں ہے)، اس دن آپ سے جس چیز کی تقدیم یا تاخیر کے بارے میں سوال کیا گیا سب کے جواب میں آپ نے یہی فرمایا کہ: **افعل ولا حرج** (ایسا کرلو کوئی حرج نہیں ہے) کیا یہ وہ نص نہیں ہے جو لوگوں پر توسع کو واجب کرتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے جو مارنے، دھکا دینے اور ازدحام سے منع فرمایا اور یہ کہ ہم میں سے بعض کو قتل نہ کرے اور ہم میں سے بعض بعض کو اذیت نہ پہنچائے، کیا اس میں یہ دلیل نہیں ہے کہ رمی کے لیے زیادہ وسیع وقت اختیار کرنے کے سلسلے میں اجتہاد کرنا صحیح ہے کہ اس سے واجب پر بھی عمل ہوگا اور ان صحیح اور صریح نصوص کی خلاف ورزی بھی لازم نہیں آئے گی؟ کیا کمزوروں کے لیے فجر سے قبل اور چرواہوں اور پانی پلانے والوں کے لیے رات میں رمی کرنے کی اجازت دینے میں رمی کے وقت میں توسع نہیں ہے؟

۵- ڈاکٹر شریف کے ساتھ میں کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ زوال کے بعد رمی شروع کرنے کی تحدید وتعیین میں مسلمانوں پر کوئی مشقت اور تنگی نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اسی چیز کا مکلّف بنایا ہے جس کی وہ استطاعت رکھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ عینی شاہد ہر سال اپنی آنکھوں سے مشقت اور حرج کا مشاہدہ کرتے ہیں، مجھ سے بعض ایسے لوگوں نے بیان کیا جن کی امانت داری پر مجھے پورا بھروسا ہے کہ انہوں نے بھیڑ میں بعض مسلمانوں کو پستے ہوئے دیکھا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی آنتیں ان کے پیٹوں سے باہر آگئیں اور لوگ (غیر اختیاری طور پر) انہیں اپنے قدموں سے روندرہے تھے۔ اور یہ کہا جانا صحیح ہے کہ زوال سے قبل رمی کو ممنوع قرار دینا اس مہلک یا جاں گسل اور پریشان کن بھیڑ کا بڑا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایسی چیز کا مکلّف نہیں بنایا ہے جس کی ان میں طاقت نہ ہو۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ مسلمان اگر اس مہلک بھیڑ کے درمیان رمی کی قدرت نہ پائے تو وہ اسے دوسرے وقت کے لیے مؤخر کردے اور

اگر وہ ایسی بھیڑ میں داخل ہوجائے جس کے بارے میں اسے یقین ہو کہ اسے سخت ضرر سے دوچار ہونا پڑے گا تو وہ گنہ گار ہوگا۔ پھر کیا لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے کے سلسلے میں بہت سے شواہد اس کی دلیل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے صرف ایک وقت مقرر نہیں کیا ہے کہ دوسرے وقت میں جائز ہی نہ ہو، بلکہ جواز، وسعت اور رفع حرج نبی ﷺ کے زمانے میں بہت سے حوادث میں وارد ہوئے ہیں۔

اور یہ دعویٰ کرنا کہ صبح میں شام کے مقابلے میں زیادہ بھیڑ ہوگی۔ یہ واقعی طور پر ہوسکتا ہے لیکن یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں رمی کی اجازت دینا انتظامی طور پر اس کا نظم کرنے اور رمی کی جگہ میں توسیع کردینے سے خواہ منزلوں کا اضافہ کرکے ہو یا رمی کے حلقے میں توسیع کرکے ہو اگر دن بھر رمی کرنے کی اجازت دیدی جائے تو پھر رمی آسان ہوجائے گی اور اس کی مشقت قابل برداشت ہوجائے گی۔ لہٰذا اگر دس لاکھ حاجی سات گھنٹوں میں رمی کرتے ہیں تو ان کی رمی کے وقت میں توسیع کرکے اسے پندرہ گھنٹوں میں تبدیل کردیا جائے گا اور چوبیس گھنٹوں میں ان کی رمی زیادہ آسان ہوگی اور جان لیوا بھیڑ سے بعید تر ہوگی۔

٦- زوال سے قبل تینوں جمرات کی رمی کے جواز کی نفی کرنا اس پر قیاس کرتے ہوئے کہ عیدالاضحیٰ کے دن رمی جمار (صبح کے وقت) اس بنا پر جائز ہے کہ حجاج عید کے دن صبح کو منیٰ میں داخل ہوتے ہیں اور منیٰ کا تحیہ رمی جمار ہے یہ تسلیم نہیں ہے اور اس کے وجوہ درج ذیل ہیں:

الف- حجاج کرام آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ آتے ہیں اور رمی نہیں کرتے، حالانکہ یہ منیٰ میں پہلی حاضری ہے تو اگر منیٰ کا تحیہ رمی ہوتا تو پہلی مرتبہ کی حاضری میں جو آٹھویں ذی الحجہ کو ہوتی ہے، یہ رمی اور تحیہ زیادہ بہتر ہوتا۔

ب- حجاج کرام منیٰ میں بالعموم عید کے دن سے تیرہ ذی الحجہ تک ٹھہرتے ہیں تو جب آدمی وہاں ٹھہرا ہو تو کیا عقلی نقطۂ نظر سے یہ بات صحیح ہوسکتی ہے کہ تحیہ کا وہاں مقیم رہتے ہوئے انجام

دے؟ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی شخص گھر والوں کے درمیان کھڑا ہوکر ہمیشہ ان سے مصافحہ کرتا رہے جبکہ وہ ان کے درمیان مقیم ہو۔

۷- یہ دعوی کرنا کہ نبی ﷺ جب کوئی کام کسی وقت میں انجام دیں تو ضروری ہے کہ اس کام کو اسی وقت انجام دیا جائے۔ اس میں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ دوسرے وقت میں اس کام کو انجام دینے سے منع کیا گیا ہو۔ یہی وقت مقرر رہے گا۔ یہ جائز نہیں ہے کہ تقدیم وتاخیر کرکے فتویٰ کو بدلا جائے۔ یہ بات اس وقت صحیح ہوسکتی ہے جبکہ ہم افضل سے بحث کریں۔ تو افضل تو یہی ہے کہ ہم مکمل طور پر اس کام کو اسی طرح انجام دیں جس طرح نبی ﷺ نے اسے انجام دیا ہے۔ اسی وقت میں اور اسی شکل میں جس میں آپ ﷺ نے اسے ادا کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم اس عبادت کو اس سے قبل یا اس کے بعد کرنے کو حرام قرار دیں۔ الا یہ کہ کوئی دوسری دلیل قائم ہوجائے۔ اگر کوئی دوسری دلیل قائم نہ ہو تو اصل جواز پر باقی رہے گا۔ سالمی فرماتے ہیں: نبی ﷺ کے افعال کو استحباب پر محمول کیا جائے گا اور یہی صحیح ہے۔ (۱)

اور بردیسی فرماتے ہیں: نبی ﷺ کی افعال سے اباحت ثابت ہوگی، اس لیے کہ یہ مقدار متعین ہے۔ اور اس سے زائد کوئی چیز کسی دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتی، (۲) اسی بنا پر وقوف عرفہ جو حج کا رکن اعظم ہے نبی ﷺ کے وقوف کے وقت سے اور اس کے بعد صحیح ہے۔ اور یہ ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور جب یہ رکن میں صحیح ہے تو واجب میں بدرجۂ اولی صحیح ہوگا۔ خاص طور پر جب ضرورت یا حاجت سے متعلق کسی سبب کی بنیاد پر ہو اور وہ سخت بھیڑ ہے، اور جناب والا جب آپ نے زوال سے لے کر دوسرے دن کے فجر تک رمی کو جائز قرار دیا ہے، حالانکہ نبی ﷺ نے تو صرف غروب سے قبل رمی کی ہے تو پھر اس میں کیا استبعاد ہے کہ وقت فجر سے لے کر دوسرے دن کے فجر تک وسیع ہو؟

(۱) شرح طلعۃ الشمس للسالمی (۵۶/۲)

(۲) اُصول الفقہ للبردیسی ص: (۲۱۴)

تیسرا شبہ: علماء کے سواد اعظم کی رائے ہے کہ زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں اور جو شخص زوال سے قبل رمی کرے اس پر لوٹانا واجب ہے۔ زوال سے قبل رمی کے جواز کے سلسلے میں عطاء اور طاؤس کا قول، قول شاذ ہے:

جناب شیخ سعید بن مبروک قنوبی نے (جو حکومت عمان میں فتویٰ کمیٹی کے ایک رکن ہیں) یہ شبہ پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ جمہور کا مذہب ہی حق ہے۔ کسی کے مناسب نہیں کہ اس کے خلاف کہے۔ اور وہ فرماتے ہیں: حاصل یہ ہے کہ ایام تشریق کی رمی کو کسی حال میں بھی زوال سے مقدم نہیں کیا جا سکتا اور نہ بغیر عذر کے اسے غروب آفتاب سے مؤخر کرنے کی گنجائش ہے اور جو شخص معذور ہو وہ اسے مؤخر کر سکتا ہے، اگر چہ ایام تشریق کے آخری دن کے غروب آفتاب تک مؤخر کرے۔ اور گذشتہ دنوں کی طرف سے اس کی رمی اداء ہوگی، قضاء نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ میں حق یہی ہے اور جو لوگ رمی کو مقدم کرنے کے جواز کے قائل ہیں، انہوں نے اس کے لیے کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی ہے، سوائے قیل وقال کے جس کا مناظرہ کے میدان میں کوئی وزن قائم نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ یہ بڑے بڑے علماء سے ثابت ہے[1] اور انہوں نے درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

۱- کوئی صحیح یا حسن یا ضعیف روایت بھی ایسی موجود نہیں ہے جس سے زوال سے قبل رمی کا جواز ثابت ہوتا ہو۔ اگر یہ جائز ہوتا تو نبی ﷺ ایسا کرتے (خواہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو، اور اس کی وضاحت فرما دیتے۔ اور جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اس سے پتہ چلا کہ زوال سے قبل رمی درست نہیں ہے)

۲- یہ کہنا کہ بھیڑ کی شدت آسانی کا تقاضا کرتی ہے، اس لیے کہ دین آسان ہے تو اس کا

---

(۱) یہ فتویٰ چھ صفحات میں شائع کیا گیا اور ان کے دستخط اور مہر کے ساتھ ہے۔ اور عمان والے اسے ہاتھوں ہاتھ لے رہے تھے۔

جواب یہ ہے کہ جو کچھ ہو چکا، جو ہو رہا ہے اور جو آئندہ ہوگا اللہ تعالیٰ ان سب کو جاننے والا ہے۔ تو اگر مشقت رخصت پیدا کرنے کا تقاضا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کوئی محکم آیت نازل کرتا یا اپنے رسول کو حکم دیتا کہ وہ اسے بیان کردیں۔

۳- اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ تنگی نہیں ڈالی ہے کہ ہم ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے میں رمی کریں، بلکہ اسے غروب تک ممتد رکھا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ایام تشریق کل کے کل ایک دن کی طرح ہیں۔ لہٰذا جو شخص آخر دن میں رمی کرے وہ اس کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے چرواہوں کو اس کی رخصت دی ہے۔

۴- چرواہوں کے لیے دوسرے دن رمی کی اجازت دینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی رمی اداء تھی نہ کہ قضاء۔ اور اگر قضاء ہوتی تو چودہ ذی الحجہ کو یا اس کے بعد شروع ہوتی۔

۵- جس شخص کے لیے زوال کے بعد رمی دشوار ہو وہ اسے اس کے بعد تک مؤخر کرسکتا ہے۔ لیکن اسے مقدم نہیں کرسکتا۔

مناقشہ اور ترجیح:

شیخ قنوبی کی رائے یہ ہے کہ رمی کا وقت زوال سے لے کر غروب تک ہے اور جس شخص کی ایک دن کی رمی فوت ہو جائے تو وہ چوتھے دن (۱۴ / ذی الحجہ) تک کسی دن بھی رمی کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ زوال سے لے کر غروب تک کے درمیان کرے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت جائز نہیں ہے۔ انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ رائے جمہور کی ہے۔ اس کے خلاف جن فقہاء کا قول ہے وہ شاذ ہے مثلاً عطاء اور طاؤس۔

حقیقت یہ ہے کہ بہت سے وہ دعوے جن میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ جمہور کی رائے ہے وہ کبھی کبھی صحیح ثابت نہیں ہوتے یا کم از کم یہ ہے کہ ان میں دقت نہیں ہوتی۔ اور اس کے وجوہ درج ذیل ہیں:

۱- یہ عطاء اور طاؤس کا قول شاذ نہیں ہے، بلکہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق کا آخری دن جب شروع ہوتو رمی کرو۔ اور گمان یہ ہے کہ انہوں نے ایسا روایتاً کہا ہوگا یا اجتہاداً۔ اگر روایتاً کہا ہوتو پھر ایام تشریق کے آخر میں زوال سے قبل صبح کے وقت رمی کا صحیح ہونا ثابت ہوگیا، اور اگر یہ ان کا ذاتی اجتہاد ہوتو پھر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس مسئلے میں اجتہاد کا امکان ہے، لہٰذا جن حضرات نے اس رائے کو اختیار کیا ہے اسے شاذ نہیں کہا جائے گا، بلکہ وہ مجتہد ہے۔ بہرصورت ابن عابدین فرماتے ہیں کہ چوتھے دن فجر کے بعد چوتھے دن کی رمی کی ادائیگی کا وقت ہے اور اس کے علاوہ گذشتہ تینوں دنوں کی رمی کی قضاء کا وقت ہے۔

۲- جبکہ پہلے دن جمرۂ عقبہ کی رمی زوال سے قبل ہے اور وہ افضل وقت ہے اور رمی کے آخری دن میں زوال سے قبل رمی جائز قرار دی گئی ہے تو پھر درمیان کے دونوں دنوں میں (یعنی گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو) رمی کا جواز عقلاً اور شرعاً مقبول ہوگا۔

۳- امام مالکؒ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو منیٰ کے ایام میں سے کسی دن کسی جمرہ کی رمی کرنا بھول گیا یہاں تک کہ شام ہوگئی تو انہوں نے فرمایا کہ رات یا دن کے اوقات جس وقت بھی اسے یاد آئے رمی کر لے۔ انہوں نے اس مسئلہ کو نماز کے بھول جانے پر قیاس کیا جس کا حکم یہ ہے کہ رات یا دن کے اوقات میں جب بھی اسے یاد آئے اسی وقت پڑھ لے۔ تو جب یہ جائز ہے کہ گذشتہ کل کی طرف سے جب چاہے رمی کر لے تو پھر یہ رمی کا وقت ہے۔ تو کیا اس صورت میں امام مالک کے قول کو بھی جمہور کے مقابلے میں قول شاذ قرار دیا جائے گا؟(۱)

بلکہ مذہب اباضی کے علماء میں بھی ایسے حضرات ہیں جو اسے جائز قرار دیتے ہیں، جن میں سے درج ذیل حضرات ہیں:

الف- شیخ محمد اطفیش نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص جمرۂ عقبہ کی رمی کو زوال کے بعد تک مؤخر

(۱) الموطا (۱/۴۰۹)۔

کرے تو کہا گیا ہے کہ اگر اسے یاد آجائے تو رات میں رمی کر لے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اسے کل کے لیے مؤخر کرے گا اور طلوع کے بعد رمی کرے گا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ زوال کے بعد تینوں جمرات کے ساتھ اس کی رمی کرے گا۔[1]

ب- اور ربیع فرماتے ہیں: زوال سے قبل رمی جمار مکروہ ہے، لیکن یہ رمی کافی ہو جائے گی۔ پس امام ربیع جو مذہب کے سب سے بڑے عالم ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ یہ جائز ہے، اگرچہ مکروہ ہے۔ اور ویسا نہیں ہے جیسا کہ شیخ قنوبی نے ذکر کیا ہے کہ ایام تشریق میں رمی کو زوال آفتاب پر مقدم کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے اور بغیر عذر کے غروب آفتاب پر اسے مؤخر کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور جو شخص صاحب عذر ہو وہ اسے بعد کے دنوں تک یعنی ایام تشریق کے آخری دن کے غروب آفتاب تک مؤخر کر سکتا ہے۔

۴- نبی ﷺ کا یہ عمل کہ انہوں نے کسی وقت زوال سے لے کر غروب تک کے درمیان رمی کی ہے تو یہ وقت افضل ہے اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نبی ﷺ کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ افضل پر عمل کریں اور پھر وہ اسے چھوڑ دیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه" (الزمر/۱۸) (وہ لوگ جو بات کو غور سے سنتے ہیں پھر اس کے بہتر کی پیروی کرتے ہیں)۔

لیکن جس شخص کے ساتھ عذر ہو تو نبی ﷺ نے اس کے وقت کو مقدم کر کے اس پر توسع پیدا کیا۔ مثلاً کمزور عورتوں اور بچوں کے لیے جمرۂ عقبہ کی رمی کو مقدم کرنا۔ اور وقت کو مؤخر کر کے بھی توسع پیدا کیا ہے اور یہ اس شخص کے لیے جس نے یہ سوال کیا تھا کہ میں نے شام ہو جانے کے بعد رمی کی۔ اور چرواہوں کے لیے اور جو لوگ کہ ان کے حکم میں ہیں۔ بلکہ ان کے لیے چند دنوں کی رمی کو مؤخر کر کے ایک دن میں کرنے کی اجازت دی ہے تو کیا اس سے زیادہ توسیع ہو سکتی ہے؟

---

(۱) کتاب شرح النیل (۲۲۸/۴)

۵- اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ کہ پہلے ہو چکا اور جو بھیڑ آئندہ ہونے والی ہے۔ لہٰذا اگر مشقت رخصت کا مطالبہ کرتی تو اللہ تعالیٰ کوئی محکم آیت نازل فرماتا، یا اپنے نبی کو اسے بیان کرنے کا حکم دیتا۔ اس کا پہلا حصہ تو صحیح ہے۔ لیکن ہر چیز میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی آیت نازل کرے یا اس واقعہ میں کوئی حدیث روایت کرکے اس کا مطلب یہ ہے کہ محکم دلائل صرف آیت اور صحیح حدیث ہے، تو پھر اجتہاد کہاں گیا جس پر قرآن وسنت کے نصوص دلالت کر رہے ہیں کہ وہ نصوص کے بعد بنیادی دلائل میں سے ہے اور وہ نصوص کے قواعد وضوابط سے خارج نہیں ہے۔ پس جبکہ اس مسئلہ میں ضرورت مندوں اور خاص طور پر بھیڑ کی رعایت سے متعلق نصوص آئے ہیں جن میں توسع ہے۔ جبکہ بھیڑ پہلے بہت محدود تھی اور اب تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا اور جگہ جیسے پہلے تھی ویسی ہی ہے اس میں کوئی توسیع نہیں ہوئی ہے۔ تو کیا اجتہاد شرعی اس غیر معمولی زیادتی کا لحاظ کرنے سے عاجز رہے گا جس کے نتیجہ میں ہر سال قطعی طریقے پر بہت سی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور روزانہ کچھ لوگ بیمار ہوتے ہیں اور اس بھیڑ کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔

۶- یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر تنگی نہیں ڈالی ہے کہ اس نے رمی کا وقت صرف ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے متعین کئے ہوں بلکہ اس کا وقت زوال سے لے کر غروب تک رکھا ہے اور جو شخص آج رمی نہ کر سکا وہ اگلے دن رمی کرے گا اور اس کی یہ رمی اداء ہی ہوگی، قضاء نہیں۔ یہ بات محل نظر ہے جس کے وجوہ درج ذیل ہیں:

الف- جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے تو ہم پر تنگی نہیں ڈالی ہے۔ لیکن ہم ہی لوگ کشادہ چیز میں تنگی پیدا کر رہے ہیں۔ نبی ﷺ کی سنت میں تو یہ کہیں نہیں آیا ہے کہ جو شخص زوال کے بعد رمی نہ کرے تو اس کی رمی باطل ہے۔ ضرورت مندوں کے لیے آپ ﷺ نے اجازت دی ہے اور بھیڑ کی رعایت کی ہے کہ رمی میں تقدیم وتاخیر دونوں کی گنجائش رکھی ہے۔ لیکن ہم لوگ اس

وسعت میں تنگی پیدا کر رہے ہیں۔

ب- زوال سے لے کر مغرب تک کے وقت میں لاکھوں کی تعداد اور جگہ کی تنگی کے ساتھ رمی کرنا عقلی طور پر اور واقعی طور پر بھی محال ہے کہ سب لوگوں کی رمی (حتی کہ وکیل بنانے کے ساتھ بھی) یا اس کے بعد کے دنوں میں رمی شدید مصیبت اور اذیت پہنچے بغیر اور عورتوں کے ساتھ اختلاط کے بغیر مکمل ہو جائے۔ اور یہ اس لیے کہ اگر نصف حاجیوں کی طرف سے وکیل بنانا ہو حالانکہ اس تناسب میں بہت مبالغہ ہے تو بھی دس لاکھ سے زیادہ افراد باقی رہیں گے اور اگر کثافت کا حساب کیا جائے تو حساب کے لحاظ سے ضروری ہے کہ ہر ایک منٹ میں بیس ہزار سے زیادہ افراد رمی کریں اور یہ محال ہے اور جو شخص دوسروں کی طرف سے رمی کرے گا تو وہ ہر جمرہ کی رمی میں دوگنا وقت لے گا۔ اور جو چھوٹے ہوئے دن کی رمی کرے گا پھر بڑھی ہوئی بھیڑ کی طرف لوٹے گا تاکہ اپنے آخری دن کی رمی کرے۔ یہ سب چیزیں مشکل کو حل کرنے والی نہیں ہیں، بلکہ اس کی پیچیدگی میں اضافہ کرنے والی ہیں۔ اور اس مسئلے میں اس کے علاوہ کوئی حل موجود نہیں ہے کہ وقت افضل ان لوگوں کے لیے باقی رہے جو اس پر قادر ہیں اور دوسروں کو مشقت میں ڈالے بغیر رمی کر سکتے ہیں اور جمرات کی رمی میں ادائیگی کا وقت فجر سے لے کر دوسرے دن کے فجر تک ہو اور جس کی رمی وقت ادا میں فوت ہو جائے تو کسی دوسرے دن اس کی رمی بطور قضاء کے ہوگی۔

ج- یہ سمجھنا کہ گذشتہ دن کی رمی اگلے دن میں کرنا اداء ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب چرواہوں کو اس کی اجازت دی تو معلوم ہوا کہ وہ وقت اداء ہے۔ گرچہ بعض فقہاء مثلاً ابن قدامہ اس کے قائل ہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''اور اس دوسرے دن میں اس کی رمی قضاء نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ ایک ہی وقت ہے۔''(۱) لیکن میں اس قول کو ترجیح دیتا ہوں کہ یہ قضاء ہے۔ اس لیے کہ اگلے دن

---

(۱) المغنی مع الشرح الکبیر (۴۸۱/۳)

رمی کی اجازت دینا قضاء ہے اس لیے کہ پہلا دن گذر چکا۔ اس شخص پر قیاس کرتے ہوئے جو نماز کو چھوڑ دے یا اس کی ادائیگی سے عاجز رہے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے تو جس اول وقت میں اس کے لیے نماز پڑھنے کا موقع میسر آئے اس میں وہ اس کی قضاء کرتا ہے۔ اور جو شخص رمضان میں کسی شرعی عذر کی بنا پر افطار کر لے تو رمضان کے بعد اس کا روزہ بطور قضاء کے ہوگا۔ اس لیے کہ رمضان میں اداء فوت ہوگیا اور یہ چیز بدیہی طور پر معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ معاملات میں بھی کہ جس شخص پر کسی دَین کی ادائیگی واجب ہو اور وہ وقت پر اسے ادا کردے تو یہ اداء ہے اور جو شخص کسی عذر کی وجہ سے اسے مؤخر کردے تو وقت کے بعد اسے اداء کرنا اس دین کی قضاء ہے جو پہلے سے اس کے ذمہ میں واجب تھا۔

چوتھا شبہ: رمی دن کی عبادت ہے:

ڈاکٹر شریف نے ایک شبہ یہ وارد کیا ہے کہ جو لوگ رات میں رمی جمار کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ رمی دن کی عبادت ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ رائے راجح نہیں ہے۔ لیکن جب ہم اپنے فقہاء کی طرف رجوع کریں گے تو پائیں گے کہ انہوں نے یہ علت پیش کی ہے۔ نووی فرماتے ہیں: کیا رات میں رمی جمار جائز ہے؟ اس سلسلے میں دو اقوال ہیں۔ اصح قول جواز کا ہے اور دوسرا قول عدم جواز کا، اس لیے کہ رمی روزے کی طرح دن کی عبادت ہے۔

مناقشہ اور ترجیح:

۱- جن حضرات کی یہ رائے ہے ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ انہوں نے رمی جمار کو روزے پر قیاس کیا ہے۔ دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ دونوں دن کی عبادتیں ہیں۔ اور اگر قیاس یا کسی اور طریقے سے عبادات میں اجتہاد جائز ہو تو اگر اس کی گنجائش آپ کے لیے ہو تو دوسروں کے لیے بھی ہوگی۔ تو پھر آپ حضرات رمی جمار کے وقت میں توسیع کے سلسلے میں اجتہاد کے کیوں

منکر ہیں؟ جبکہ اس کی دلیل جان کی حفاظت سے متعلق ضروری مصلحت ہے، جس کے حق میں شریعت کے قطعی دلائل شاہد ہیں اور یہاں پر سنت نبوی سے بھی ایسی دلیل موجود ہے جو اس نقطۂ نظر کی تائید کرتی ہے۔ خاص طور پر بھیم شحیم لوگوں، مریضوں اور کمزوروں کو بھیڑ کی مشقت سے محفوظ رکھنے کے لیے۔

۲- یہ وہ قیاس ہے جسے ہم قیاس مع الفارق کہہ سکتے ہیں جسے قرافی اپنی کتاب الفروق میں ہمیشہ ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کے وجوہ درج ذیل ہیں:

الف- روزہ نص قرآنی کی رو سے دن کی عبادت ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"**وكلوا وشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر ثم أتموا الصيام إلى الليل**" (البقرة: ١٨٧) (اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے الگ ظاہر ہو جائے پھر پورا کرو روزہ رات تک)۔

اور اس عام کی کوئی تخصیص یا اس مطلق کی کوئی تقیید وارد نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے کسی ایک حالت میں بھی رات میں روزہ رکھنے کی اجازت دی ہو۔ حالانکہ اس کے اسباب ودواعی پائے گئے تھے۔ مثلاً غزوۂ بدر میں روزہ رکھنا اور فتح مکہ میں روزہ رکھنا پھر افطار کرنا۔ اور اگر یہ جائز ہوتا تو اس کی گنجائش تھی کہ رات میں روزہ رکھنے کا حکم دیا جاتا ان صحابۂ کرام کی تخفیف کی خاطر جنہیں سخت گرمی میں دن کے روزے نے کمزور کر دیا تھا یہاں تک کہ ان میں سے بعض حضرات پر غشی طاری ہوگئی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ (بلکہ ضرورت کی بنیاد پر افطار کا حکم دیا گیا) اور دوسرے دنوں میں ان کی قضا کرنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے۔ لیکن رمی جمار میں ایک سے زیادہ مرتبہ استثناء واقع ہوا اور یہ سب استثناء رات ہی میں رمی کرنے سے متعلق تھا، خواہ حضرت اسماءؓ، حضرت سودہؓ اور کمزور عورتوں، مردوں اور بچوں

کے لیے جمرۂ عقبہ کی رمی کی اجازت ہو یا چرواہوں کے لیے یا حضرت عباسؓ کے لیے اجازت ہو۔ اور جب رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل علت مضطردہ (مشترکہ) نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ آپ نے عذر والوں کو شام میں یا رات میں رمی کرنے کی اجازت دی۔ اس لیے یہ علت غیر مضطردہ (غیر مشترکہ) ہوئی، لہٰذا اس کی وجہ سے حکم کا منتقل ہونا ممنوع ہوگا۔

۳- اگر یہاں قیاس کی گنجائش ہوتو بہتر یہ ہے کہ زیادہ قریب عبادت پر اور اسی جنس کی عبادت پر قیاس کیا جائے۔ پس جبکہ یہاں یہ ممکن ہے کہ ہم رمی جمار کو حج کے باقی ارکان وواجبات پر قیاس کریں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم اسے کسی دوسری عبادت پر قیاس کریں۔ اور اگر ہم رمی جمار کو باقی عبادات پر قیاس کریں تو حکم رمی جمار کے وقت میں توسیع کے حق میں ہوگا۔ مثلاً:

الف- احرام جو حج کا رکن اوّل ہے وہ رات اور دن دونوں میں جائز ہے۔

ب- بیت اللہ کا طواف خواہ طواف افاضہ ہو (جو رکن ہے) یا طواف قدوم یا طواف وداع (اور ان دونوں کے وجوب میں اختلاف ہے) یا نفلی طواف ہو یہ سب کے سب رات اور دن دونوں میں جائز ہیں۔ نووی فرماتے ہیں کہ طواف کے وقت کا کوئی آخر نہیں ہے بلکہ جب تک زندہ رہے اس وقت تک اس کا وقت ممتد ہوتا ہے اگرچہ چند سال گذر جائیں۔ (۱)

ج- صفا اور مروہ کے درمیان سعی بھی دن یا رات کے ساتھ محدود نہیں ہے اور دن پر رات کی فضیلت یا رات پر دن کی فضیلت ثابت نہیں ہے۔

د- وقوف عرفہ دن میں ہو یا رات میں عید الاضحیٰ کے دن کے فجر تک جائز ہے اور ابن حزم نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ذکر کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جس شخص نے ہمارے ساتھ یہ

---

(۱) المجموع (۸/۱۶۱)

نماز پڑھی (یعنی مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ) اور ہمارے ساتھ یہاں ٹھہرا اور اس سے قبل عرفات میں رات کو یا دن کو وقوف کیا تو اس کا حج پورا ہوگیا اور اس نے تمام مناسک مکمل کر لیے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص طلوع فجر سے قبل عرفات کی رات پالے تو اس نے حج پالیا۔

ھ- حلق یا ذبح ایام تشریق کی رات میں یا دن میں جائز ہے۔

اور امام نووی اس کے قائل ہیں کہ حلق کسی وقت بھی ہوسکتا ہے جب تک زندہ رہے اور اس پر کوئی دم نہیں ہے،(۱) اور یہ وہ عبادات ہیں جو رمی کے ساتھ اس امر میں متفق ہیں کہ یہ سب ایک ہی جگہ ادا کی جاتی ہیں۔

۴- میرا خیال یہ ہے کہ ہمیں اپنے دل میں توسع پیدا کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ہم ایک دوسرے کی رائے قبول کریں، خاص طور پر ظنی امور میں۔ اس لیے کہ یہاں پر اس مسئلے میں قطعی اور فیصلہ کن نصوص نہیں ہیں۔ اس لیے مخالف رائے رکھنے والے پر اس طرح طعن کرنا صحیح نہیں ہے کہ: ''مخالف قیل وقال کے سوا کوئی دلیل نہیں رکھتا۔ جبکہ مناظرہ کے میدان میں اس طرح کے قیل وقال کا کوئی وزن نہیں ہے جیسا کہ بڑے بڑے علماء کے نزدیک یہ ثابت شدہ امر ہے۔'' یہ ایسی زبان اور ایسی تعبیر ہے جس میں مخالف پر طعن وتشنیع ہے جو اہل علم کے شایان شان نہیں، ہماری فقہی زبان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بلند معیار کی ہو جسے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا تھا۔ ان کا معمول یہ تھا کہ جب وہ کسی ایسے معاملے میں فتویٰ دیتے جس میں ان کی ذاتی رائے ہوتی تو وہ سائل کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجتے اور لوٹنے کے بعد اس سے دریافت فرماتے کہ انہوں نے کیا فتویٰ دیا؟ تو وہ جواب دیتا کہ انہوں نے یہ فتویٰ دیا۔ تو حضرت عمرؓ فرماتے کہ اگر میں فتویٰ دیتا تو اس کے خلاف کہتا۔ تو سائل کہتا کہ

---

(۱) حوالہ سابق (۸/۲۰۹)

اے امیر المؤمنین! کون سی چیز آپ کے لیے فتوی دینے سے مانع ہے؟ تو وہ فرماتے کہ اگر میں تمہیں اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت کی طرف لوٹا نا چاہتا تو ضرور کرتا، لیکن میں تمہیں رائے کی طرف لوٹا رہا ہوں اور رائے مشترک ہوتی ہے۔ اسی طرح جب امام ابوحنیفہؒ سے ایک فتوی پوچھا گیا۔ اور (جب انہوں نے فتویٰ دیدیا تو) ان سے دریافت کیا گیا کہ: آپ جو فتویٰ دے رہے ہیں کیا وہ حق ہے جس کے علاوہ باطل ہوا کرتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: شاید کہ یہ وہ باطل ہے جس کا غیر حق ہوا کرتا ہے، ہم تو گمان کی بنیاد پر کہہ رہے ہیں یقین کی بنیاد پر نہیں کہہ رہے ہیں۔

ضرورت ہے کہ یہ معیاری ادب ہماری موجودہ اسلامی فقہ کی خصوصیت ہو جس میں ہم میں سے بعض بعض کے لیے دل کشادہ رکھے، جس مسئلہ پر ہمارا اتفاق ہو جائے اس پر ہم متحد رہیں اور جس مسئلے میں ہمارے درمیان اختلاف واقع ہو اس میں ہم ایک دوسرے کو معذور قرار دیں۔ رائے کا اختلاف باہمی محبت ومودت کو ختم نہیں کرتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم لوگوں کو اور سربراہوں اور ذمہ داروں کو چھوڑ دیں کہ وہ اس قول کو اختیار کریں جس کی دلیل کی قوت پر ان کا دل مطمئن ہو اور جس سے مختلف زمانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے مصالح پورے ہوں۔

نتائج اور تجاویز

اولاً: بحث کے نتائج:

۱- یہاں پر شرعی ضرورت ہے کہ ان فتاویٰ پر نظر ثانی کی جائے جو فقہاء کے اقوال سے منتخب کئے گئے ہیں۔ جن کی دلیل تو صحیح ہے لیکن وہ اس بھیڑ کے مناسب نہیں جس کے نتیجے میں قطعی طور پر بہت سے بے قصور افراد کی جان چلی جاتی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے دھکے سے گر کر کچلے جاتے ہیں اور وہ بھی ایک ایسے فعل کی وجہ سے جس کو افضل پر محمول کرنا ممکن ہے۔ اور یہ درست نہیں کہ فضائل پر عمل کرنے کے نتیجے میں وہ فرائض ضائع ہو جائیں جو رمی جمار سے متعلق ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نوافل کو قبول نہیں کرتے ہیں جب تک کہ فرائض ادا نہ کئے جائیں جیسا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اور نفل رمی کا وقت ہے اور فرض جان کی حفاظت ہے۔

۲- رمی جمار کے وقت کی توسیع کے سلسلے میں اجتہاد کرتے وقت ہم عام نصوص، شرعی قواعد، ضروری مصالح اور عقلی حقائق سب کو عمل میں لائیں گے۔

۳- شرعی نصوص کے مجموعہ سے یہ بات واضح طریقے پر معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کا منہج واضح طور پر رمی جمار کے وقت کے سلسلے میں توسیع کی طرف مائل تھا۔ مثلاً عید کے دن آفتاب طلوع ہونے سے قبل بھیڑ کے خوف سے کمزوروں اور عورتوں کو وقت افضل سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی کی اجازت دینا۔ اور پانی پلانے والوں اور اونٹ کے چرواہوں کو رات میں رمی کی اجازت دینا اور آپ ﷺ کا ایک دوسرے کو دھکا دینے، مارنے اور دوسروں کو طاقت کے ذریعہ ہٹانے

سے قطعی طور پر منع فرمانا۔لہٰذا اگر ہم صبح کے رمی کے عدم جواز کا فتویٰ دیتے رہیں تو ہم لوگوں کو اس بات پر مجبور کریں گے کہ وہ ان تمام نصوص کی مخالفت کریں۔

۴- امت کے فقہاء کے نزدیک یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کا افضل وقت عید کے دن طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک ہے اور تینوں جمرات کی رمی میں افضل وقت زوال سے لے کر مغرب تک ہے۔لیکن انہوں نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے کہ ضرورت کی بنا پر ان کے علاوہ دیگر اوقات میں رمی کی جائے۔اور اب سخت بھیڑ کی ضرورت ان تمام ضرورتوں سے بڑھ کر ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔خاص طور پر اس صورت میں جبکہ اس بات کا یقین ہے کہ منیٰ میں ہر سال صرف بھیڑ کی وجہ سے بہت سے معصوم افراد کی جان جاتی ہے۔

۵- میرا احساس یہ ہے کہ بھیڑ کی ضرورت اور اس کے اثرات ونتائج اس بات کو لازم کرتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کی رات نصف شب سے دوسرے دن کے فجر تک رمی کے وقت میں توسیع کی جائے۔اور تینوں جمرات کی رمی ہر دن کے فجر سے اگلے دن کے فجر سے قبل تک۔ یہاں تک کہ تیرہ ذی الحجہ کا آفتاب غروب ہوجائے۔اور یہ اس لیے کہ ایسے دلائل موجود ہیں جو رفع حرج کو واجب کرتے ہیں۔مثلاً جس صحابی نے وقت افضل کے بعد شام کو رمی کی تھی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: رمی کرو کوئی حرج نہیں ہے۔اور اسی طرح نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ اس دن آپ ﷺ سے جس چیز کے بارے میں بھی دریافت کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: **افعل ولاحرج** (ایسا کرلو کوئی حرج نہیں ہے) اسی طرح طاؤس اور عطاء کے بارے میں صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ زوال سے قبل رمی کے جواز کے قائل تھے۔اسی طرح حنفیہ سے منقول ہے کہ وہ آخری دن (تیرہ ذی الحجہ کو) فجر کے بعد رمی کو جائز قرار دیتے ہیں۔یہ سب قوی درجہ کے شواہد ہیں کہ میں نے جس رائے کو اختیار کیا ہے وہ صحیح ہے۔

۶- جن حضرات نے زوال سے قبل جمرات کی رمی کرنے کو ناجائز کہا ہے انہوں نے کچھ

نصوص پر عمل کیا اور کچھ کو نظر انداز کر دیا۔ اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ: **اعمال النصوص أولی من إهماله** (یعنی نصوص کو عمل میں لانا انہیں ترک کرنے کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے) اور بہتر یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں تمام نصوص کو جمع کیا جائے اور عزیمت و رخصت دونوں پر اس طرح فتویٰ دیا جائے کہ کوئی شرعی حکم فوت نہ ہو اور نہ کوئی قابل احترام جان ہلاک ہو۔

۷- نبی ﷺ کا فعل اس پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ وقت افضل ہے اور عذر والوں کو اجازت دینا، رخصت اور لوگوں کے لیے توسع فراہم کرنے کی دلیل ہے اور ہم اہل عزیمت کے لیے بہتر اسوہ اختیار کرنے اور دوسروں کے لیے ہلاکت اور خطرات سے بہتر طریقے پر بچاؤ اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور نبی ﷺ کا محض کوئی فعل کسی دوسرے قرینہ کے بغیر وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔

۸- یہ دعویٰ کرنا کہ رمی دن کی عبادت ہے، اس لیے تسلیم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے اور دوسروں کو شام کے وقت رمی کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور یہ تکلیف ہے۔

۹- یہ دعویٰ کرنا کہ رمی منیٰ میں داخل ہونے کا تحیہ اور سلام ہے اور حاجی لوگ عید الاضحیٰ کی صبح کو وہاں سے گذرتے ہیں تسلیم نہیں۔ اس لیے کہ حجاج کرام پہلے آٹھویں ذی الحجہ کو عرفہ سے قبل منیٰ آتے ہیں اور رمی نہیں کرتے اور منیٰ میں تین دن ٹھہرتے ہیں اور رمی کرتے ہیں تو سب سے پہلے منیٰ آنے کے وقت یا جو وہاں مقیم ہے اس کا تحیہ کہاں گیا؟

۱۰- بہتر یہ ہے کہ رمی جمار کو مناسک حج پر قیاس کیا جائے، اس لیے کہ احرام کا وقت پہلی شوال سے عید الاضحیٰ کے دن فجر سے قبل تک ہے۔ اور وقوفِ عرفہ نویں ذی الحجہ کے فجر سے یا زوال کے وقت سے عید کے دن کے فجر تک ہے۔ اور طواف افاضہ کا وقت عید کے دن کے فجر سے ذی الحجہ کے اخیر تک اور ایک قول کی رو سے اخیر عمر تک وسیع ہے، یہی حکم سعی کا ہے اور سر

منڈانا اور قربانی کرنا منی کے تمام ایام میں خواہ دن ہو یا رات صحیح ہے تو پھر ہم صرف رمی کو نبی ﷺ کی رمی کے اوقات تک کیوں محدود کریں، حالانکہ آپ ﷺ کا احرام، وقوف عرفہ اور طواف یہ سب محدود اوقات میں تھا، حالانکہ یہ وہ تمام اوقات نہیں ہیں جن میں فقہاء نے ان شعائر کو ادا کرنے کی اجازت دی ہے۔

۱۱- بھیڑ کا عام طور پر بہت سے احکام میں اعتبار کیا گیا ہے، مثلاً طواف اور سعی میں مردوں کی طرف سے عورتوں کے ساتھ مزاحمت نہ کرنے کے سلسلے میں یا حجر اسود کو بوسہ دینے کے سلسلے میں، اور کمزوروں کو سویرے رمی کی اجازت دینے کے سلسلے میں۔ تو اگر رمی کے وقت لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو جائے کہ اس سے حقیقی خطرہ لاحق ہو تو پھر ہم اس مسئلے میں توسع کی طرف کیوں نہیں رجوع کریں گے؟

۱۲- جبکہ امت اسلامیہ کی تعداد ایک ارب تینتیس کروڑ ہے۔ تو اگر یہ فرض کر لیں کہ ان کی صرف ایک تہائی تعداد حج کی قدرت رکھتی ہے اور چالیس کروڑ ہے تو ہمیں بلوغ کے سالوں کے درمیان (جس کا اندازہ ۵۰ رسال سے کیا جاتا ہے) اس کی ضرورت پڑے گی کہ ہر سال اسی لاکھ سے زائد افراد حج کریں۔ اور اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو حج کا موقع دینے کے لیے ضروری ہے کہ فتویٰ اور جگہ دونوں میں وسعت ہو۔ پس جبکہ ابھی بیس لاکھ افراد حج کرتے ہیں تو رمی کو زوال سے غروب یعنی صرف چھ گھنٹوں تک محدود رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر منٹ میں چالیس ہزار یا اس سے بھی زائد افراد رمی کریں اور یہ عقلی طور پر بھی محال ہے اور واقعی لحاظ سے بھی اور توسیع پیدا کرنے کی صورت میں اور رمی کی جگہ کے دومنزلہ ہونے کی صورت میں (جو اس وقت ہے) یہ تعداد سات ہزار ہو جائے گی اور اگر جمرات کو پانچ منزلہ کر دیا جائے تو پھر ہر منٹ میں تین ہزار افراد رمی کر سکیں گے۔

۱۳- ہم اپنے علماء کرام سے جن کی اس حکم شرعی کو اختیار کرنے میں مخالفت لازم آرہی

ہے ان سے ہماری یہ درخواست ہوگی کہ ان کا سینہ دوسروں کے اجتہاد کے لیے کشادہ ہو۔ تو ہم سب ان سے علم کی وسعت سے قبل دل کی وسعت اور نرمی اور مخالف رائے کا احترام سیکھیں گے الا یہ کہ وہ رائے کسی ایسے امر کے خلاف ہو جس میں امت کے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ہمارا یہ مسئلہ ایسا ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے۔

ثانیاً: اہم تجاویز:

۱- میں امید کرتا ہوں کہ سعودی عرب کی وزارت اوقاف اس بحث کو علمی مجلس کے سپرد کرے گی تا کہ مسلمانوں کی جان کی حفاظت کی خواہش کے دائرہ میں اس پر مناقشہ کیا جا سکے۔ پھر اراکین مجلس ایسی تجویز منظور کریں جس کی دلیل انہیں قوی نظر آئے اور جو زمانہ کے حالات کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہو۔

۲- یہ کہ نئے سرے سے منی کا خاکہ اور نقشہ تیار کیا جائے اور جمرات کی رمی کرنے کی جگہوں (حوض) کو زیادہ وسیع کر دیا جائے اور اوپر مزید منزلیں تعمیر کر دی جائیں اور اس میں چلنے کی حرکت کو کنٹرول کیا جائے، نئی عمارتیں بنائی جائیں اور خیمے لگائے جائیں۔ اور میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ یہ کام ایک ایسے بورڈ کے ذریعہ انجام پائے جس میں علماء وفقہاء کے ساتھ انجنیئر، اطباء اور انتظامی امور میں مہارت رکھنے والے افراد ہوں، اسی طرح مختلف اسلامی ممالک کے امن قائم رکھنے والی فوج ہو۔ اس لیے کہ مقتولین امت اسلامیہ کے تمام ممالک کے افراد ہوتے ہیں۔

۳- یہ کہ حجاج کرام فتاوی کو اختیار کرنے میں عجلت سے کام نہ لیں اگر وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو شرعی دلائل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو دلائل کو سمجھ لیں۔ اور یہ ایک علمی تحقیق ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس کا مطالعہ اس حیثیت سے کیا جائے گا کہ یہ وہ حق نہیں ہے جس کے علاوہ باطل ہوا کرتا ہے۔ بلکہ یہ ایک علمی رائے ہے جو غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی اور ہر صورت میں مجھے اجر کی امید ہے (اگر غلط ہو تو ایک اجر کی اور صحیح ہو تو دو اجر کی) اگر کسی کی عقل اور کسی کا دل

اسے قبول کرلے تو وہ اسے اختیار کرے ورنہ تو اسے اس کا حق ہے کہ اس مسئلہ میں پیش کی گئی فقہی آراء واقوال میں سے اسے اختیار کرے جس پر اس کا دل مطمئن ہو۔

۴- یہ کہ حجاج کرام حج کے لیے روانہ ہونے سے قبل علماء سے مسائل دریافت کرنے اور مستند کتابوں کے مطالعہ کرنے کا اہتمام کریں۔ اس لیے کہ شرعی احکام کی واقفیت سے حاجی کے لیے اس رائے اور فتویٰ کا اختیار کرنا آسان ہوگا جو مناسک حج کی ادائیگی اور جانوں کی حفاظت کے درمیان توازن قائم رکھ سکے۔

قاری کے ملاحظات وآراء

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

کتاب کے مضامین سے متعلق اپنی ملاحظات پر آراء حسب ذیل پتہ پر بھیج سکتے ہیں:

7247 Kingsley St.
Dearborn, MI, USA 48126
E-mail: ssoltan 03@yahoo. com